جلد ثالث

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

معرکہ حق و باطل میں حق کی عظیم [illegible] فتح

فیصلہ مقدمہ بہاولپور

جس میں

عالیجناب منشی محمد اکبر خان صاحب بی، اے، ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور
نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسماۃ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرما دیا ہے

سرپرستی حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور

مرتبہ ابو العباس محمد صادق [illegible]

بار اول تعداد ۵۰۰۰ [illegible] قیمت ۱۲ آنے علاوہ محصول ڈاک

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

Scanned with CamScanner

عبد الرشید

اعتذار و شکر

بھاولپور کے معرکۃ الآرا مقدمہ مرزائیہ کی اہمیت و شہرت اور اسلامیان ہند کی مضطربانہ انتظار کا اقتضاء یہ تھا کہ اس تاریخی مقدمہ کے بصیرت افروز فیصلہ کی اشاعت میں تاخیر نہ کیجائے۔ مگر باقاعدہ نقل۔ کتابت طباعت اور انکے مصارف ایسے امور تھے جنہوں نے اشاعت کو تعویق میں رکھا حتی کہ بعض اصحاب نے خطوط اور اخبارات کے ذریعہ مجھکو اشاعت کیطرف توجہ دلائی اگرچہ بمقتضائے کل امر مرہون باوقاتہا اشاعت میں یہ غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے۔ تاہم مجھے اپنے فرض سے سبکدوشی حاصل ہوگئی الحمدللہ علی ذالک جن اصحاب نے فیصلہ کی اشاعت کیطرف توجہ دلائی یا اسکی اشاعت میں مالی امداد فرمائی ہے میں ان تمام اصحاب کا عموماً اور انجمن مؤیدالاسلام بھاولپور کا خصوصاً شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انجمن موصوف نے مقدمہ کے مصارف اور فیصلہ کی طباعت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس فیصلہ کو طالبین حق کے لئے مشعل ہدایت بنائے امین۔

(مولانا) غلام محمد۔ شیخ الجامعہ بھاولپور

حجازی [illegible] پریس [illegible] لاہور [illegible] مولانا محمد صادق صاحب [illegible] شائع کیا

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

بہاولپور شمالی پنجاب کی ریاستوں میں سے سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے۔ جسکو معدلت گستر تاجدار عباسی نواب حاجی سر صادق محمد خاں صاحب بالقابہ ادام اللہ تعالے اقبالہٗ وملکہٗ کی قلمرو ہونیکا فخر حاصل ہے۔ یہ بصیرت افروز فیصلہ اس سرزمین معدلت آئین کے ایک روشن ضمیر دقیق النظر فاضل جج کی کامل دو سال کی تحقیق شرعی کا صحیح نتیجہ ہے۔

اس معرکتہ الآرا مقدمہ کے تاریخی حالات اور عدالتی مراحل اور فریق ثانی کی درمیانی توقعات کی پوری سرگذشت عالیجناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر کے فیصلہ میں بطور تمہید نہایت جامعیت کیساتھ مذکور ہے جسکا اعادہ تحصیل حاصل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ فیصلہ بغیر کسی تمہید یا دیباچہ کے شائع کیا جاتا ہے۔ مگر ناظرین کی بصیرت کیلئے صرف

Scanned with CamScanner

اسقدر گذارش کیجاتی ہے کہ جب مسل مقدمہ ہذا عدالت عالیہ دربار معلّٰے سے بایں حکم عدالت ڈسٹرکٹ جج صاحب ضلع میں واپس ہوئی کہ مستند مشاہیر علماء ہند کی شہادت لیکر بروئے احکام شرع شریف فیصلہ کیا جاوے تو صاحب ممدوح نے علامۃ العصر حضرت شیخ الجامع صاحب و حضرت مولٰنا محمد حسین صاحب کولوتارڑ مبلغ اسلام کی شہادت لینے کے بعد فریقین کو اپنے مسلک کے مستند اور مشاہیر علماء کو بغرض شہادت پیش کرنیکا حکم دیا۔ اسجگہ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ اگرچہ یہ مقدمہ عرصہ سات سال سے چل رہا تھا اور مدعا علیہ فخر و مباہات کے طور پر علانیہ کہا کرتا تھا۔ کہ قادیان کا خزانہ اور منظم جماعت اسکی پشت پر ہے مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اس کو شخصی مقدمہ سمجھے رکھا۔ اور مدعیہ کی مالی امداد میں کبھی کوئی حصہ نہ لیا۔ عدالت کے اس حکم کے بعد مسلمانانِ بہاولپور میں قدرتاً یہ احساس پیدا ہوا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعیہ کا افلاس اور اسکی ناداری اسکو شہادت شرعی پیش کرنیسے قاصر رکھے۔

انجمن مؤید الاسلام بہاولپور نے حضرات علماء کرام کے مصارف آمد و رفت قیام و طعام کے انتظام کے لئے ایک سب کمیٹی زیر صدارت حضرت شیخ الجامع صاحب مقرر فرمائی۔ سب کمیٹی نے کمال اخلاص اور دیانت سے کام کیا۔ مسلمانانِ بہاولپور نے ناموس شریعت کی حفاظت کے لئے نہایت ایثار اور فراخدلی سے

مالی امداد کی جزاہم اللہ تعالے خیر الجزاء۔

مدعیہ کیطرف سے شہادت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولنا سید محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مولنا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری حضرت مولنا محمد نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور۔ و مولنا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پیش ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری نے تمام ہندوستان کی توجہ کیلئے جذب مقناطیسی کا کام کیا۔ اسلامی ہند میں اس مقدمہ کو غیر فانی شہرت حاصل ہو گئی۔ حضرات علماء کرام نے اپنی اپنی شہادتوں میں علم و عرفان کے دریا بہائے۔ اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد روز روشن کیطرح ظاہر کردیا۔ اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے۔

خصوصاً حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے اپنی شہادت میں ایمان۔ کفر۔ نفاق۔ زندقہ۔ ارتداد۔ ختم نبوت۔ اجماع۔ تواتر۔ متواترات کے اقسام وحی۔ کشف۔ الہام۔ کی تعریفات اور ایسے اصول و قواعد بیان فرمائے جنکے مطالعہ سے ہر ایک انسان علیٰ وجہ البصیرت بطلان مرزائیت کا یقین کامل حاصل کرسکتا ہے۔

پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی مقدمہ کی پیروکاری اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل و تزویر کو آشکارا کرنے کے لئے شہرہ آفاق مناظر

حضرت مولنا ابوالوفاء صاحب نعمانی۔ شاہجہانپوری تشریف لائے۔ مولنا موصوف مختار مدعیہ ہو کر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمہ کی پیروکاری فرماتے رہے۔ فریق ثانی کی شہادت پر ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل وفریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کرکے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد آشکار عالم کر دیا۔ فریقین کی شہادت کے ختم ہونیکے بعد مولانا موصوف نے مقدمہ پر بحث پیش کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا کامل دو سال کی تحقیق و تنقیح کے بعد عالیجناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر نے اس تاریخی مقدمہ کا بصیرت افروز فیصلہ ۳ر فروری ۱۹۳۵ء کو بحق مدعیہ سنایا۔ یہ فیصلہ اپنی جامعیت اور قوت استدلال کے لحاظ سے یقیناً بے نظیر و بے بدل ہے۔ مسلمانان ہند کی بہرہ اندوزی کیلئے اس فیصلہ کو ایک کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے درحقیقت یہ مواد مقدمہ کی تیسری جلد ہے۔ اس سے پہلے دو جلدیں اور ہونگی جلد اول میں حضرات علماء کرام کی مکمل شہادتیں اور جلد ثانی میں مولنا ابوالوفاء صاحب نعمانی کی بحث اور جواب الجواب شائع کیا جائیگا۔

باقی رہا یہ سوال کہ یہ دونوں جلدیں کب شائع ہونگی۔ اس کا جواب مسلمانان ہند کی ہمت اور حوصلہ افزائی پر موقوف ہے۔ تیسری جلد جتنا

جلدی فروخت ہو گی اُسی انداز سے پہلی دو جلدوں کی اشاعت میں آسانی ہو گی۔

حضرات علمائے کرام کے بیانات اور بحث اور جواب الجواب تردید مرزائیت کا بسیط ذخیرہ ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ تینوں جلدیں شائع ہو گئیں۔ تو تردید مرزائیت میں کسی دوسری تصنیف کی قطعاً حاجت نہ رہیگی۔

مسلمانان ہند سے عموماً اور شعبۂ تبلیغ مجلس احرار ہند و مجلس علمیہ ڈابھیل و انجمن ہائے حزب اللہ بہاولپور و انجمن مؤید الاسلام بہاولپور و دیگر مجالس مذہبی سے خصوصاً گذارش ہے کہ جہانتک ہو سکے۔ اس کی فروخت و اشاعت میں حصہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

۲۵ر جولائی سنہ ۱۹۳۵ء

ابو العباس نعمانی۔ موری دروازہ

بہاولپور موری دروازہ

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً علی رسولہ الکریم

نقل تجویز اخیر باجلاس عالیجناب منشی محمد اکبر خانصاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی

ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر

ریاست بہاولپور

مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش ذات ملانہ عمر ۱۹ سال سکنہ احمد پور شرقیہ بمختاری الٰہی بخش ولد محمود ذات ملانہ ساکن احمد پور شرقیہ معلم مدرسہ عربیہ	عبد الرزاق ولد مولوی جان محمد ذات بابر عمر ۲۲ سال ساکن موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ۔ حال مقیم میلسی شہر گیج ریڈر سب ڈویژن انہار میلسی ضلع ملتان

دعوے دلاپانے ڈگری استقراریہ شرع فسخ نکاح

فریقین بوجہ ارتداد شوہر مدعا علیہ

یہ ایک خاص نوعیت اور اہمیت کا مقدمہ ہے۔ جو سال ۱۹۲۶ء میں دائر ہو کر ایک دفعہ انتہائی مراحل اپیل طے کر چکا ہے۔ اور سال ۱۹۳۲ء سے پھر ایک نئی شان

نئے اسلوب سے ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا میں زیر سماعت چلا آیا ہے۔ واقعات مختصراً یہ ہیں۔ کہ مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ اور مولوی عبد الرزاق مدعا علیہ باہمی رشتہ دار ہیں۔ اور ابتداءً یہ دونوں علاقہ ڈیرہ غازیخاں میں رہتے تھے۔ عبد الرزاق کی ہمشیرہ مولوی الٰہی بخش سے بیاہی ہوئی تھی۔ اور مولوی الٰہی بخش نے اپنی لڑکی مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ کا نکاح اس کے ایام نابالغی میں عبد الرزاق مدعا علیہ سے کر دیا تھا۔

یہ لڑکی اس کی ایک سابقہ بیوی کے بطن سے تھی۔ اور اس کا نکاح وہیں زوجین کے ابتدائی مسکن پر ہوا تھا۔ اس کے بعد مولوی الٰہی بخش وہاں سے ترک سکونت کر کے علاقہ ریاست ہذا میں چلا آیا۔ اور سال ۱۹۱۶ء میں اس نے موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ میں ایک زمیندار کے ہاں عربی تعلیم دینے پر ملازمت اختیار کر لی۔ مدعیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے ایکسال کے بعد مدعا علیہ بھی بمعہ اپنی والدہ اور دو ہمشیرگان کے وہاں سے ترک سکونت کر کے مولوی الٰہی بخش کے پاس موضع مہند میں آگیا۔ اور اپنے کنبہ کو وہاں چھوڑ کر خود حصول معاش کے لئے مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوران قیام موضع مہند میں اس نے اپنے سابقہ عقائد سے انحراف کر کے مرزائی مذہب اختیار کر لیا۔ اور وہاں اپنے قادیانی۔ مرزائی ہونیکا اعلان بھی کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مولوی الٰہی بخش سے مدعیہ کے رخصتانہ کے متعلق استدعا کی۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہ کریگا مدعیہ کا بازو اس کے حوالہ نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ مدعا علیہ کچھ عرصہ مدعیہ کے رخصتانہ کے درپے رہا۔ لیکن اُسے یہی جواب دیا جاتا کہ اس کے مرزائی مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں مدعیہ اُس کے حوالہ نہیں کیجا سکتی۔ جب اُسے کامیابی کی امید نظر نہ آئی۔ تو وہ پھر ریاست ہذا سے ترک سکونت کر کے علاقہ برٹش انڈیا میں چلا گیا۔ اور حدود ریاست ہذا کے قریب علاقہ تحصیل لودھراں میں سکونت اختیار کر لی۔

ان سوالات پر کہ مدعا علیہ نے حدود ریاست سے سکونت کب ترک کی۔ اور کہ اُس نے

مرزائی یا احمدی مذہب کہاں اور کب اختیار کیا۔ آگے بحث کیجائیگی۔ یہاں اب صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ مدعیہ کے اس رخصتانہ کے سوال پر والد مدعیہ اور مدعاعلیہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اور والد مدعیہ نے مدعیہ کیطرف سے بحیثیت اس کے مختار کے ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو مدعاعلیہ کے خلاف یہ دعوے بدیں بیان دائر کیا۔ کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔ مدعاعلیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کرکے قادیانی۔ مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس کے مرتد ہو جانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے۔ اور بموجب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعاعلیہ مدعیہ مستحق انفراق زوجیت ہے۔ اس لئے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کیجاوے اور یہ قرار دیا جاوے۔ کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہو جانے مدعاعلیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی۔ اور نکاح بوجہ ارتداد مدعاعلیہ قائم نہیں رہا۔

مدعاعلیہ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے۔ کہ اس نے کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان اور احکام شرعی کا پورا پابند ہے۔ احمدی کوئی علیحدہ مذہب نہیں۔ نہ وہ مرزائی ہے۔ نہ قادیانی۔ نکاح ہر صورت میں جائز اور قابل تکمیل ہے۔ معتقدات احمدیہ کی وجہ سے جو صلاحیت مذہبی کیطرف رجوع دلاتے ہیں وہ مرتد نہیں ہو جاتا۔ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور۔ مدراس اور دیگر ہائی کورٹوں سے یہ امر فیصلہ پا چکا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کے مسلمان اصلاح یافتہ فرقہ میں سے ہیں۔ مرتد یا کافر نہیں ہیں۔ دعوے ناجائز اور قابل اخراج ہے۔ اور کہ بنا دعوے بمقام ہند ریاست بہاولپور قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ فریقین کی وہاں سکونت رہی ہے اور نہ ہی مدعاعلیہ نے وہاں سرسیل کی کوئی تحریک کی۔ علاوہ ازیں کسی مقام پر سرسیل کی تحریک کئے جانے سے وہ مقام قانوناً بنائے دعوے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ دعوے وہاں سماعت ہونا چاہیئے جہاں

Scanned with CamScanner

مدعا علیہ کی مستقل سکونت ہو یا جہاں دعوے پیدا ہوئی ہو۔ مقدمہ حال میں مدعا علیہ کی مستقل سکونت چونکہ علاقہ ملتان میں ہے اور نکاح ضلع ڈیرہ غازیخاں میں ہوا تھا۔ اس لئے دعوے حدود ریاست ہذا میں سماعت نہیں ہو سکتا۔

یہ دعوے، بعدالت منصفی احمد پور شرقیہ میں دائر ہوا تھا۔ منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے فریقین کے مختصر سے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۴ نومبر ۱۹۲۶ء کو حسب ذیل امور تنقیح طلب قرار دئے

۱۔ کیا مدعا علیہ مذہب قادیانی یا مرزائیت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس لئے ارتداد لازم آتا ہے۔

۲۔ اگر تنقیح بالا حق مدعیہ ثابت ہو۔ تو کیا نکاح فیما بین فریقین قابل انفساخ ہے۔

ان تنقیحات کے ثبوت میں مدعیہ نے مدعا علیہ کو عدالت مذکورہ میں بحیثیت گواہ خود پیش کیا۔ تو مدعا علیہ نے ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ بیان کیا کہ یہ درست ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں نبی بھی مانتا ہے۔ اس معنے میں کہ مرزا صاحب نبی کریم صلعم (حضرت محمد مصطفےٰ صلعم) کے تابعدار ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے پیرو ہیں اور آنحضرت صلعم کی غلامی کی وجہ سے آپ نبوت کے درجہ پر فائز ہوئے اور اس وقت تک اس کا یہی اعتقاد ہے۔ گویا وہ سلسلہ احمدیت میں منسلک ہو چکا ہے وہ مرزا صاحب کو ان معنوں میں نبی کہتا ہے۔ جن معنوں میں کہ قرآن کریم نبوت کو پیش کرتا ہے۔ جیسے دیگر انبیاء علیہ السلام ہیں کہ ان پر وحی اور الہام وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ ان پر مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے نزول ملائکہ و جبرئیل علیہ السلام ہوتا تھا۔

اس بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے ۱۰ فروری ۱۹۲۷ء کو یہ امر مزید تنقیح طلب قرار دیا۔ کہ کیا اس اعتقاد کی صورت میں جو مدعا علیہ نے بیان کیا ہے

کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس معنے میں کہ مثل دیگر انبیاء علیہم السلام مرزا صاحب ایسے پر وحی اور الہام وارد ہوتے تھے۔ کوئی شخص مذہب اسلام میں شامل رہ سکتا ہے اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے ۱ فروری ۱۹۲۶ء کو ایک درخواست پیش کی۔ کہ سابقہ تاریخ پر اُس نے جو بیان دیا تھا۔ اُس میں اس نے اپنے اعتقادات مذہبی کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس سے جو خلاصہ اخذ کیا ہے۔ وہ اس کے اصلی اعتقاد مذہبی کے مغائر ہے۔ چونکہ اعتقاد مذہبی کی غلط تعبیر سے مقدمہ پر کافی اثر پڑتا ہے اس لیے اپنے اعتقاد مذہبی کو من مدعا علیہ ذیل میں بیان کرتا ہے۔ تاکہ غلط فہمی دور ہو۔

میں خداوند تعالےٰ کو واحد لاشریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو کامل الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے۔ اور حضرت محمد صلعم کی برکت اور آپ کی توسط سے اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو اُمتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔

اس درخواست میں یہ استدعا کی گئی ۔ کہ جو امر تنقیح سابقہ تاریخ پر وضع کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تنقیح بالفاظ ذیل وضع ہونا چاہیے۔ کہ آیا مدعا علیہ جس کا مذہبی عقیدہ ہو۔ جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مرتد ہے اور مسلمان نہیں ہے۔ اور اس کا ثبوت بذمہ مدعیہ عائد کیا جاوے۔ مگر عدالت نے اس درخواست پر کوئی التفات نہ کی اور اُسے شامل مسل کر دیا۔

اس کے بعد بحکم ۵ مئی ۱۹۲۶ء عدالت عالیہ چیف کورٹ یہ مقدمہ عدالت ہذا میں منتقل ہوا۔ اور عدالت ہذا میں ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ نے اپنے عقائد کی پھر ایک فہرست پیش کی۔ جس کا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔

Scanned with CamScanner

[illegible]

یہ مقدمہ عدالت ہذا سے بحکم ۱۰- نومبر [illegible] اس بناء پر خارج کیا گیا۔ کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور نے اسی قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ جندوڈی بنام کریم بخش میں باتباع فیصلہ جات عدالتہائے اعلیٰ مدراس۔ پٹنہ و پنجاب کے یہ قرار دیا جا چکا ہے۔ کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں۔ نہ کہ اسلام سے باہر۔ اور کہ مرزائی مذہب اختیار کرنے سے کسی سنی عورت کا نکاح اس شخص کیساتھ جو اس مذہب کو قبول کرے فسخ نہیں ہو جاتا۔ اور کہ مدعیہ کیطرف سے ان فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کیگئی۔

عدالت ہذا کا یہ حکم برطبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ سے بحال رہا لیکن اپیل ثانی پر عدالت معلیٰ اجلاس خاص سے یہ قرار دیا گیا۔ کہ عدالت ہذا سے فریقین کے پیشکردہ اسناد پر بحث کے بغیر دعوے مدعیہ خارج کر دیا گیا ہے۔ اور فاضل ججان چیف کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث رہے ہیں۔ البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ [illegible] مدراس کیسز [illegible] میں سوال زیر بحث بجنسہ یہی تھا۔ کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ لیکن ہم نے اس فیصلہ کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کہ فیصلہ مذکورہ بالا کل چھان بین سے طے پایا تھا۔ کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ان کے پاس کوئی خاص سند اس بات کی پیش نہیں ہوئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور ان سے اس حد یا اس درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا ان اسلامی عقائد کی پیروی یا ان عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ اس فیصلہ میں پھر فاضل ججان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علمائے اسلام بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائیکورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں ہے۔ اور ہمیں مقدمہ ہذا میں اس کی پیروی کرنیکی ضرورت نہیں۔ اس قرار داد کے

یہ مقدمہ اس ہدایت کیساتھ واپس ہوا۔ کہ گو مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ۔ جامع عباسیہ بہاولپور کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلعم کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم نبوۃ حضرت رسول کریم صلعم کا منکر ہے۔ اور ختم نبوۃ اسلام کے ضروریات میں سے ہے۔ لہذا وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جبتک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعاعلیہ کو بھی موقعہ دینا چاہئے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

واپسی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہو گئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے۔ ان کے اسطرح میدان میں آنے سے قدرتاً یہ سوال عوام کے لئے جاذب توجہ بن گیا۔ اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور ہر تاریخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کمرہ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مدنظر رکھتے ہوئے حفظ امن قائم رکھنے کیلئے پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کیطرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔ امر مابہ النزاع حل و حرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ مدعاعلیہ کے ہم خیال جماعت کی تکفیر پر بھی مشتمل ہے۔ اس لئے طرفین کو اس مقدمہ میں کھلے دل سے اپنے دلائل سندات اور بحث ہائے تحریری و تقریری پیش کرنیکا کافی در کافی موقعہ دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مدعاعلیہ کیطرف سے ایک ایک گواہ کے بیان اور جرح پر بعض دفعہ مسلسل ایک ایک مہینہ بھی صرف ہوا ہے۔ اور اسکی طرف سے جو بحث تحریری پیش ہوئی ہے۔ وہ کئی سو ورق پر مشتمل ہے۔ اور فیصلہ میں تعویق زیادہ تر مسل کے اسقدر ضخیم

Scanned with CamScanner

بن جانیکی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ دورانِ سماعت مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الٰہی بخش کے خلاف ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سب جج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعوے اعادہ حقوق زناشوئی دائر کرکے عدالت موصوف سے ان ہر دو کے خلاف ۱۷ جون ۱۹۳۳ء کو ڈگری یکطرفہ حاصل کرلی۔ اور اس مقدمہ میں جبکہ شہادت فریقین ختم ہوکر مدعیہ کیطرف سے بحث بھی سماعت ہوچکی تھی۔ مدعا علیہ کیطرف سے یہ عذر برپا کیا گیا کہ عدالت ہذا کو اختیار سماعت مقدمہ ہذا حاصل نہیں۔ کیونکہ بنائے دعوے حدود ریاست ہذا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی مدعا علیہ کی رہائش عارضی یا مستقل ریاست ہذا کے اندر ہوئی ہے دوسرا عدالت سرکار برطانیہ سے مدعا علیہ کے حق میں ڈگری استقرار حق زوجیت برخلاف مدعیہ و الٰہی بخش والدش کے صادر ہوچکی ہے۔ اس لئے بروئے دفعہ ۱۰ ضابطہ دیوانی عدالت ہذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنیکا حق نہیں ہے۔ اور کہ بموجب دفعات ۱۳-۱۴- ضابطہ دیوانی ڈگری مذکورہ قطعی ہوچکی ہے۔ اور اس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت عدالت ہذا نہیں چل سکتا۔

مدعا علیہ کے ان عذرات کو بوجہ اس کے کہ وہ عدالت ہذا کے اختیار سماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اہم سمجھا جاکر اس مقدمہ میں ۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل مزید تنقیحات ایزاد کیگئیں۔

۱- کیا مدعا علیہ کی سکونت بوقت دائری دعوے ہذا حدود ضلع ہذا میں تھی۔ یا یہ کہ بنائے دعوے حدود ضلع ہذا میں پیدا ہوئی اس لئے دعوے قابل سماعت عدالت ہذا ہے۔

۲- اگر تنقیح بالا بخلاف مدعیہ طے ہو تو کیا عدالت ہذا کے اختیار سماعت کا سوال اس مرحلہ پر جبکہ مقدمہ پہلے عدالتہائے اعلےٰ تک پہنچ چکا ہے۔ اور مدعا علیہ برابر پیروی کرتا رہا ہو نہیں اٹھایا جاسکتا۔

۳- کیا ڈگری ملک غیر کی بناء پر جو بحق مدعا علیہ برخلاف مدعیہ صادر ہوئی ہے۔ سماعت

مقدمہ ہذا میں دفعات ۱۳۔۴ ضابطہ دیوانی عائد نہیں ہیں۔ ان تنقیحات کے تصفیہ کرنے سے قبل مدعا علیہ کیطرف سے محکمہ معلّٰی وزارت عدالیہ میں پیشگاہ حضور پرنور عالی دام اقبالہ میں پیش کئے جانے کے لیے ایک درخواست مشتملہ عذرات مذکورہ بالا موصول ہوئی۔ جو بعدہٗ عدالت ہذا میں بھجوادی گئی۔ اس درخواست کے مطالعہ سے یہ ضروری خیال کیا گیا۔ کہ مدعا علیہ کیطرف سے بحث پیش ہونے سے قبل ان قانونی عذرات مذکورہ بالا کو طے کر لیا جاوے۔

اس لئے ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء کو فریقین کے نام نوٹس ہائے اطلاع جاری کئے جانیکا حکم دیا گیا۔ کہ وہ تاریخ مقررہ پر اپنے علماء کو ہمراہ نہ لاویں بلکہ خود حاضر ہوں تاکہ ان قانونی سوالات پر غور کیجا کر انہیں طے کر لیا جاوے۔ مدعیہ کیطرف سے عدالت ہذا کے اس حکم کی نسبت سے محکمہ معلّٰی اجلاس خاص میں درخواست نگرانی پیش کیگئی ہے۔ اور محکمہ معلّٰی نے بحکم [illegible] نومبر ۱۹۳۳ء یہ قرار دیا۔ کہ فریق مدعیہ پر تعمیل نوٹس درست نہیں ہوئی۔ بھذا یہ ہدایت کیگئی کہ سلسلہ بحث اور جدید امور کی دریافت کو ساتھ ساتھ جاری رکھا جاوے۔ اور اگر کسی فریق کے حق میں التواء مقدمہ ضروری خیال کیا جاوے۔ تو دوسرے فریق کو اس فریق سے مناسب ہرجانہ دلایا جاوے۔ باتباع اس حکم کے فریقین کو جدید تنقیحات کے متعلق اپنا اپنا ثبوت پیش کرنیکی ہدایت کیگئی۔ اور مختاران مدعا علیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے سلسلہ بحث کو بھی جاری رکھیں۔ اس کے بعد جب تنقیحات مذکورہ بالا کے متعلق طرفین کی شہادت ختم ہو چکی۔ تو مدعا علیہ نے پھر ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک درخواست کے ذریعہ یہ عذر برپا کیا۔ کہ امر ذیل کو بھی زیر تنقیح لایا جاوے۔

کہ کیا مدعا علیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔

اگر تنقیح بالا مدعیہ کے خلاف ثابت ہو۔ تو پھر بھی عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے

اس درخواست کو اس بناء پر مسترد کر دیا گیا۔ کہ مدعا علیہ کیطرف سے اس قسم کا پہلے کوئی عذر نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے قانونی مشورہ حاصل کر کے پیروی کرتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں

جہاں تک اس کے اس جدید عذر کا قانونی پہلو ہے۔ اس کے متعلق وہ اپنی بحث کے وقت قانون پیش کر سکتا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے فریقین کیطرف سے مثل پر جو مواد لایا جا چکا ہے۔ وہ اس سوال پر بھی بحث کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا کسی مزید تنقیح کے وضع کرنے کی ضرورت خیال نہیں کیجاتی۔

اس سے قبل دوران شہادت میں مدعا علیہ کیطرف سے ایک حجت یہ بھی پیدا کی گئی تھی کہ مدعیہ بوقت رجوع نالش نابالغ تھی۔ اس لئے اب اس سے خود دریافت ہونا چاہئے کہ وہ مقدمہ چلانا چاہتی ہے یا نہ۔ لہٰذا اس سوال کے متعلق بھی یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک تنقیح بایں الفاظ وضع کیا گیا تھا۔ کہ آیا مدعیہ بوقت رجوع نالش نابالغ تھی۔ اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا گیا۔ کیونکہ مدعیہ کیطرف سے اُسے بالغ ظاہر کیا جا کر مختاری والدش دعوے دائر کیا گیا تھا لیکن بعد میں اس تنقیح کو بحکم ۱۹ مارچ ۱۹۳۳ء خارج کیا گیا۔ کیونکہ قانوناً مدعا علیہ کا یہ عذر ناقابل پذیرائی تھا ملاحظہ ہو ۵۰ انڈین کیسز صفحہ ۳۰۹ اب ذیل میں دیگر قانونی سوالات پر بحث کیجاتی ہے۔

مدعا علیہ کا اہم عذر یہ ہے۔ کہ اس نے کبھی حدود ریاست ہذا میں سکونت اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس نے یہاں احمدی مذہب قبول کیا ہے بلکہ وہ ۵-۶ سال تک شیخواہ میں رہا وہاں سے اُس نے سال ۱۹۲۲ء میں ایک خط کے ذریعہ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کی بیعت کی تھی۔ اور بیعت کرنے کے ۵-۶ سال بعد اُس نے اپنے موجودہ مسکن واقعہ علاقہ روصراں میں آکر سکونت اختیار کی۔ یہاں اُس نے آکر ایک مکان تعمیر کرایا۔ اور اس وقت سے یہاں مقیم ہے۔

مدعیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ مدعا علیہ ضلع ڈیرہ غازی خاں سے ترک سکونت کرنے کے بوسیلہ مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ کے پاس حدود ریاست ہذا میں آیا اور یہاں بود و باش شروع کی۔ مرزائی مذہب اس نے ایک شخص مولوی نظام الدین کی ترغیب پر قبول کیا جو موضع

ہمراہ مسکن والدہ مدعیہ کے قریب رہتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ [illegible] کے بعد وہ حدود ریاست ہذا کے باہر چلا گیا ہے۔ ان امور کے متعلق فریقین کیطرف سے شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

مدعاعلیہ کی یہ حجت درست نہیں پائی جاتی۔ کہ وہ کبھی ریاست ہذا میں بہمراہ مدعیہ کی پیشکردہ شہادت سے جسکی کہ مدعاعلیہ کیطرف سے اس کی خاطرخواہ تردید نہیں کی گئی یہ ثابت ہے۔ کہ مدعاعلیہ مولوی نبی بخش کے ہاں آنے کے بعد اپنے مسکن واقعہ موضع ضلع ڈیرہ غازیخان سے سیدھا حدود ریاست ہذا میں مولوی نبی بخش والد مدعیہ کے پاس آیا۔ اور اپنی والدہ اور ہمشیرگان کو ساتھ لے آیا۔ پہونچ کر وہ حصول معاش کے لئے حدود ریاست ہذا کے اندر مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مولوی نبی بخش کے پاس آکر ٹھیرتا رہا۔ اس کے بعد جب مدعیہ کے رخصتانہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو وہ ترک سکونت کرکے یہاں سے چلا گیا۔ اور غالباً صحیح یہی ہے۔ کہ وہ مقدمہ ہذا دائر ہونے سے قبل ہی چلا گیا کیونکہ خود مدعیہ نے عرضیدعوے میں اس کی سکونت بمقام سیلسی درج کی ہے۔ چنانچہ اس پتہ پر جب سمن جاری کیا گیا۔ تو مختار مدعیہ نے ۱۲ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو منشی محمد پور شرقیہ میں ایک درخواست پیش کی۔ کہ مدعاعلیہ کی سکونت غلطی سے بمقام سیلسی لکھی ہوئی ہے۔ لیکن اب مدعاعلیہ بمقام محمد پور شرقیہ میں موجود ہے۔ پھر تعمیل نہیں ہوسکیگی۔ اب اس پتہ پر سمن جاری کیا جاکر تعمیل کرائی جاوے۔ چنانچہ اسی روز عدالت سے سمن جاری کیا جاکر مدعاعلیہ کی اطلاعیابی کرائی گئی۔ مدعاعلیہ کہتا ہے کہ سمن وہاں دھوکہ سے ہوا لیکن یہ سوال چنداں اہم نہیں۔ وہ چاہے جسطرح محمد پور شرقیہ میں آیا ہو مگر واقعہ ہے۔ کہ سمن پر اس کی اطلاعیابی وہاں کرائی گئی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دائری دعوے کے وقت اس کی رہائش حدود ریاست ہذا کے اندر نہ تھی۔ بنابریں اس بنا پر مدعاعلیہ کی یہ حجت درست ہے کہ دائری دعوے کے وقت چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی عارضی یا مستقل سکونت

نہ تھی۔ اس لئے یہاں اس کے خلاف دعوے دائر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی مدعیہ کی پھر یہ حجت ہے۔ کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب چونکہ حدود ریاست ہٰذا کے اندر تبدیل کیا ہے۔ اس لئے اُسے مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بنائے دعوے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے مدعا علیہ کے خلاف یہاں دعوے درست طور دائر کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس نے احمدی مذہب شیخواہ ضلع ملتان میں قبول کیا تھا۔ اور کہ ابتداءً وہ ضلع ڈیرہ غازیخاں سے شیخواہ میں ہی گیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جو ڈاک خانہ دنیا پور سے ۱۲ جنوری ۱۹۲۱ء کو خلیفہ صاحب ثانی کی خدمت میں بھجوایا گیا۔ اور جس پر بغیر کسی ولدیت۔ قومیت کے صرف عبدالرزاق احمدی لکھا ہوا ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کہ یہ خط کسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا تحریر شدہ ہی شناخت خط کے بارہ میں مدعا علیہ کیطرف سے دو گواہان پیش ہوئے ہیں۔ جنمیں ایک اللہ بخش بالکل نو عمر لڑکا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ شیخواہ میں مدعا علیہ کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اسوقت وہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ شناخت خط کے بارہ میں پہلے تو اُس نے یہ کہا۔ کہ شاید وہ نہ پہچان سکے۔ لیکن پھر بیان کیا۔ کہ وہ شناخت کرتا ہے۔ کہ خط شامل مسل مدعا علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ لیکن اول تو جس وقت یہ گواہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھنا بیان کرتا ہے۔ اسوقت خود اس کی اپنی عمر کوئی ۱۲-۱۳ سال کے قریب ہو گی۔ بعید از عقل ہے۔ کہ اس عمر میں اُس نے مدعا علیہ کی طرز تحریر کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہو۔ دوسرا وہ اس خط کی شناخت کے متعلق کوئی خاص وجوہات بیان نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں جب، کہ مذہبی بھائی کو مد نظر رکھا جاوے۔ تو اس کی شہادت بالکل ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ اسیطرح دوسرے گواہ کی شہادت بھی سرسری قسم کی ہے۔ اور اُس پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخواہ میں ۵-۶ سال رہا لیکن وہاں کی سکونت ثابت کرنے

کے لئے بھی اس کی طرف سے بھی اللہ بخش گواہ پیش ہوا ہے۔ دیگر گواہان صرف سماعی طور پر بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ ودھراں میں وہاں سے آیا تھا۔ لہذا اس ضمن میں مدعا علیہ کیطرف سے مسل پر جو مواد لایا گیا ہے۔ اس سے یہ قرار پانا مشکل ہے۔ کہ مدعا علیہ اپنے موجودہ مسکن پر سکونت پذیر ہونے سے قبل شیخواہ میں رہتا تھا۔ اور کہ اس نے احمدی مذہب کو وہیں اختیار کیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا جو خط پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق قابل اطمینان طریق پر یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا ہے۔ ان حالات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مدعا علیہ نے علاقہ ودھراں میں سکونت اختیار کرنے سے قبل جہاں پہلے سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ احمدی مذہب اس نے وہاں قبول کیا۔ مدعا علیہ حسب ادعا خود یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا کہ اس کی یہ سابقہ سکونت شیخواہ میں تھی۔ برعکس اس کے مدعیہ کیطرف سے یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ اپنی موجودہ سکونت اختیار کرنے سے قبل حدود ریاست ہذا میں سکونت پذیر تھا۔ اس لئے مدعا علیہ کے اپنے بیان سے ہی یہ ثابت قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب حدود ریاست ہذا میں اختیار کیا۔ اور اس کی تائید مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ کا مذہب تبدیل کرنا چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی جائے سکونت موضع مہند میں وقوع میں آیا ہے۔ اس لئے اس بناء پر مدعیہ کو ضلع ہذا کے اندر بنائے دعوے پیدا ہوئی ہے۔ لہذا عدالت ہذا کو اس مقدمہ کی سماعت کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

مدعا علیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اس کی چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر سکونت نہیں رہی۔ اس لئے عدالت ہذا کو اس کے خلاف سماعت مقدمہ ہذا کا اختیار حاصل نہیں ہوا مدعیہ کیطرف سے یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ نے گو ابتداءً یہ عذر اٹھایا تھا لیکن بعد میں عدالت ہائے اپیل میں جا کر اس نے اسے ترک کر دیا۔ اور شروع سے لیکر آخیر تک وہ برابر اس کی پیروی کرتا رہا۔ اس لئے سمجھا جائیگا۔ کہ اس نے عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو قبول کر لیا تھا

Scanned with CamScanner

اِس لئے اب وہ اِس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اِس بارہ میں فیصلہ ۲۰ فریقین کیسہ مسلوہ ۲ دام بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ اِس کے متعلق مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ پیشیں چونکہ مدعیہ کیطرف سے ہوتی رہی تھیں۔ اِس لئے اُسے اعتراض کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں مقدمہ چونکہ دوبارہ ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا کے زیر سماعت گیا ہے۔ اِس لئے وہ اِس سوال پر عدالت کو متوجہ کر سکتا ہے۔ مگر مدعاعلیہ کی یہ حجت درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اپیل میں یہ عذر اُٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ فیصلہ اِس کے خلاف ہونا ممکن تھا اسلئے اُسے ہر پہلو سے اپنی جوابدہی کرنی چاہیئے تھی۔ اور گو کہ مقدمہ اب پھر ابتدائی حیثیت میں سماعت کیا گیا ہے۔ تاہم اِس مقدمہ کے سابقہ مراحل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اِس حجت کو درست بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو چونکہ اُوپر یہ قرار دیا جا چکا ہے۔ کہ مدعاعلیہ کے تبدیل مذہب سے بنا دعوے حدود ریاست ہذا میں پیدا ہوئی ہے۔ اِس لئے اِس سوال پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور عدالت ہذا سے مدعاعلیہ کے خلاف یہ دعوے درست طور سماعت کیا گیا ہے

اِس قرار داد سے ان تنقیحات میں سے پہلے دو کا جو ۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو وضع کی گئی تھیں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری تنقیح کے متعلق جو ڈگری ملک غیر کی بابت ہے۔ صرف یہ درج کر دینا کافی ہے۔ کہ عدالت صادر کنندہ ڈگری کے روبرو یہ سوال کہ مدعاعلیہ تبدیل مذہب کیوجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ اور اِس لئے مدعیہ اُس کی منکوحہ نہیں رہی۔ زیر بحث نہیں آیا۔ اور نہ ہی یہ پایا جاتا ہے۔ کہ اِس عدالت کو یہ جتایا گیا کہ اِس نکاح کے بارہ میں مدعیہ کیطرف سے عدالت ہذا میں بھی مقدمہ دائر ہے۔ اِس لئے سمجھا جائیگا کہ وہ فیصلہ صحیح واقعات پر صادر نہیں ہوا۔ اور ڈگری دھوکے سے حاصل کیگئی۔ لہذا وہ ڈگری بروئے نص (ب) و (ہ) دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی قطعی قرار نہیں دیجا سکتی۔ اسیطرح دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی کا اطلاق واقعات مقدمہ ہذا پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو وہ ڈگری قطعی نہیں دوسرا وہ کسی عدالت واقع اندرون حدود ریاست ہذا کی صادر شدہ نہیں۔ اسلئے یہ تیسری تنقیح

بھی بحق مدعیہ و برخلاف مدعا علیہ طے کیجاتی ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے۔ کہ فریقین چونکہ درحقیقت اپنی شہریت اور وطنیت کے لحاظ سے برٹش انڈیا سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور والد مدعیہ نے خود یا اس کے کسی گواہ نے یہ دعوے نہیں کیا۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے برٹش شہریت اور وطنیت چھوڑ چکا ہے۔ کیونکہ شہریت اور وطنیت کو ترک کرنے کے لئے لازمی ہے۔ کہ یہ فعل علانیہ طور پر اور پبلک اظہار کے بعد قانونی حیثیت سے کیا جاوے۔ اس لئے تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو۔ ایسے نکاح متنازعہ کے متعلق قانون بین الاقوامی یہ ہے۔ کہ وہ نکاح جو اس ملک کے قانون کے لحاظ سے جائز ہے۔ جہاں سے وہ منعقد ہوا۔ وہ ساری دنیا میں جائز اور درست ہے۔ اور کوئی دوسرے ملک کی عدالت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی۔ اور پھر ایسے نکاح کی تنسیخ کے متعلق بھی قانون بین الاقوامی یہ ہے۔ کہ جس ملک میں ہر دو زوجین کو وطنیت حاصل ہو۔ صرف وہیں کی عدالت تنسیخ کا مقدمہ سن سکتی ہے۔ اور اس قانون کی رو سے بیوی کی وطنیت وہی جگہ تصور ہو گی۔ جہاں خاوند کی وطنیت ہو۔

فریقین کیطرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ فریقین اپنی ابتدائی برطانوی شہریت و وطنیت پر قائم ہیں۔

گو حصول معاش کے لئے ایک فریق نے اپنی رہائش بہاولپور میں رکھی ہوئی ہے۔ مگر بعض دوسری جگہ رہائش رکھنے سے اصل وطنیت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ مدعیہ کا نکاح علاقہ انگریزی میں ہوا۔ جہاں کہ مدعیہ کی بیان کردہ وجہ ارتداد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے علاقہ انگریزی کے قانون کی رو سے یہ نکاح صحیح اور جائز ہے

لیکن مدعا علیہ کی یہ حجت اس لئے وزن دار نہیں۔ کہ اول تو یہ ثابت ہے۔ کہ مولوی الٰہی بخش بہت مدت سے اپنے سابقہ مسکن سے ترک سکونت کر کے حدود ریاست ہذا میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے کافی مدت کے بود و باش اور دیگر افعال سے یہ بخوبی اخذ ہوتا ہے کہ وہ حدود ریاست

ہند میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا اپنے سابقہ مسکن پر واپس جانیکا ارادہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازیخاں میں اب اس کا اپنا کوئی گھر موجود نہیں۔ مدعیہ چونکہ اس وقت نابالغ تھی اور بطور زوجہ مدعا علیہ کے حوالہ نہ کیگئی تھی۔ اس لیے اس کا اپنے والد کے ہمراہ یہاں چلے آنے اور اس کیساتھ بود و باش رکھنے سے یہ سمجھا جائیگا۔ کہ اس نے بھی اب بتبع اپنے والد کے یہاں کی وطنیت اختیار کر لی ہے۔ علاوہ ازیں یہ پایا جاتا ہے۔ کہ جب وہ بالغ ہوئی تو اس نے مدعا علیہ کی زوجیت سے انکار کر دیا۔ اور یہ حجت کی۔ کہ ضلع ڈیرہ غازیخاں میں اس کا جو نکاح مدعا علیہ سے ہوا تھا۔ وہ بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ مدعیہ کی وطنیت بھی اب وہی شمار ہوگی۔ جو کہ مدعا علیہ نے اختیار کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں نہ بطور زوجہ اس کے ساتھ آباد رہی۔ اور نہ اب حقوق زوجیت کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ وہاں آباد ہونے کو آمادہ ہے۔ اسلئے لامحالہ یہ قرار دینا پڑے گا کہ مدعیہ نے بھی اب یہیں وطنیت اختیار کی ہوئی ہے۔ اور گر بافرض محال مدعا علیہ کی اس حجت کو درست بھی مان لیا جاوے تو بھی مدعا علیہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مقدمہ کی کارروائی یہاں بھی اس ضابطہ دیوانی کے تحت کیگئی ہے۔ جو علاقہ انگریزی میں جاری ہے۔ اور نکاح زیر بحث کا تصفیہ اسی شخصی قانون کے تحت کیا جا رہا ہے۔ کہ جس کی رو سے قانون مروجہ علاقہ انگریزی کی رو سے تصفیہ کئے جانیکی ہدایت ہے یعنے بروئے شرع محمدی۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ریاست ہذا کا قانون جس کے تحت مقدمہ ہذا میں کارروائی کیجا رہی ہے۔ وہ برٹش انڈیا کے قانون سے مختلف ہے۔ ہاں قانون کی تعبیر کا سوال دوسرا ہے کسی قانون کی تعبیر اس قانون کا جزو شمار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کسی عدالت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ کسی خاص قانون کی تعبیر وہی کرے۔ جو دوسری عدالت نے کی ہے تاوقتیکہ وہ اس کی ماتحت عدالت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف ہائی کورٹوں کی مختلف

Scanned with CamScanner

قرار دادیں پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ حال میں عدالت عالیہ اجلاس خاص نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو معاملہ زیر بحث کے متعلق قطعی نہ سمجھتے ہوئے قابل پیروی خیال نہیں کیا۔ اور عدالت ضلع کی یہ قرار داد قانوناً بالکل درست ہے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ قانون بین الاقوامی کی اگر یہ سمجھا بھی جاوے۔ کہ وہ ریاست ہذا اور برٹش انڈیا کے مابین جاری ہے۔ کوئی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ کیونکہ یہاں اُسی قانون پر عمل کیا جا رہا ہے جو برٹش انڈیا میں مروج ہے۔ اور اگر وطنیت کو ہی معیار سماعت دعوے قرار دیا جاوے تو چونکہ مدعیہ کی وطنیت حدود ریاست ہذا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی ریاست ہذا کے عدالتوں کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ لہذا یہ مقدمہ عدالت ہذا میں درست طور۔ رجوع ہو کر زیر سماعت لایا گیا ہے۔

ان قانونی امور کو طے کرنے کے بعد اب اصل معاملہ مابہ النزاع کیطرف رجوع کیا جاتا ہے اور قبل اس کے کہ اس سوال پر فریقین کی پیش کردہ شہادت اور دلائل پر بحث کیجاوے یہ سمجھنے کے لئے کہ قادیانی یا مرزائی یا احمدی مذہب کیا ہے۔ اور مذہب اسلام کے ساتھ اس کا کیا لگاؤ ہے۔ اور اس مذہب کے قبول کرنے والے کو کیوں مرتد سمجھا گیا ہے۔ کچھ تفصیلی تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ بات کچھ خلاف واقع نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ ہر مذہب و ملت کے نزدیک ابتدائے آفرینش اور وجود باری تعالے کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ تمام مذاہب کے متعلق یہ رائے صحیح نہ ہو۔ تو کم از کم یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے متعلق بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کے مذاہب کی رو سے نہ صرف امور مذکورہ بالا کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ بلکہ ابتدائے آفرینش کے بارہ میں ان کی کتب سماوی کا زیادہ تر بیان باہمی اتفاق بھی رکھتا ہے۔ اس بحث سے کچھ یہ دکھلانا بھی مقصود ہے۔ کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم نہیں۔ جو کہ اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کو منزل من اللہ کہنے والی ہے۔ بلکہ اس قسم کا عقیدہ دیگر اقوام

میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے مذاہب کی بنیادی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ زیر بحث کا چونکہ صرف مسلمانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان کی آسمانی کتاب قرآن مجید کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ تو انہیں ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا گیا۔ اس کے بعد جب آدم علیہ السلام نے غلطی سے اس پھل کو کھا لیا۔ تو ان کو باغ جنت سے بےدخل کر دیا گیا۔ اور شیطان کو بھی جس کی ترغیب پر انہوں نے وہ پھل کھایا تھا وہاں سے نکالا گیا۔ اور یہ ارشاد ہوا کہ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔
نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت۔ تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ (سورہ بقرہ رکوع ۴)

باری تعالےٰ کیطرف سے یہ ہدایت پھر اس کے رسولوں کے ذریعہ سے جو کہ انسانوں میں سے منتخب کئے جاتے تھے پہنچتی رہی حتیٰ کہ رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تک جاری رہا۔ موسیٰ کے بعد آئندہ سلسلۂ رسالت جاری رہنے میں لوگوں میں اختلاف ہونے لگا۔ اور عیسیٰ کے مبعوث ہونے پر جن لوگوں نے انہیں نہ مانا اور موسیٰ کی ہدایت پر قائم رہے۔ وہ یہود کہلائے اور جنہوں نے عیسیٰ کو نبی تسلیم کر لیا وہ نصاریٰ کہلائے۔ اور اس کے بعد جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو انہیں جن لوگوں نے نبی تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کیا۔ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اب مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم آخری نبی ہیں۔ اور ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں۔ آسمان سے نزول فرماویں گے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شریعت پر چل کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائیں گے۔ اور رسول اللہ صلعم کی شریعت پر چلنے کی وجہ سے امتی نبی کہلائیں گے

اب انیسویں صدی کے آخر میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو مدعا علیہ کے پیشوا ہیں۔

ان روایات کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ یہ تعبیر کی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام جو مسیح ناصری تھے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واپس نہیں آنا۔ اور نہ ان کا واپس آنا بروئے آیات قرآنی ممکن ہے۔ اور نہ وہ نبی ہو کر آ ہی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ امتی نبی سے یہ مراد ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے کمال اتباع و فیض سے ان کے کسی امتی کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائیگا۔ اور اس تعبیر کیساتھ انہوں نے اس درجہ کا اپنے لئے مختص ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس دعوے کی تائید میں فریق ثانی کیطرف سے جو دلائل اور سندات وغیرہ پیش کیگئی ہیں۔ ان پر آگے بحث کیجائے گی۔ اب صرف یہ دکھلانا مقصود ہے۔ کہ جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ انہیں لوگ مرزا صاحب کیساتھ اور ان کے مسکن قادیان کیساتھ تعلق رکھنے کیوجہ سے بعض اوقات مرزائی کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات قادیانی۔ اور قادیانی مرزائی کہنے سے ایک تعبیر بھی لیجاتی ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب کے متبعین کے دو فریق ہیں۔ ایک لاہوری اور دوسرے قادیانی۔ لاہوری انہیں نبی نہیں مانتے۔ قادیانی انہیں نبی مانتے ہیں۔ اس لئے قادیانی۔ مرزائی کہنے سے یہ مراد لیجاتی ہے۔ کہ وہ شخص جس کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ان متبعین میں سے ہے جو انہیں نبی مانتے ہیں۔ مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ پر اسی مفہوم کے تحت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اس فرقہ کا ایک تیسرا نام احمدی ہے۔ جس کے متعلق فریق ثانی کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ اس جماعت کے امیر نے اپنی جماعت کے لئے تجویز کر کے گورنمنٹ سے اس نام سے اپنی جماعت کو موسوم کئے جانے کی منظوری حاصل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سند اور اعتبار کے لحاظ سے احادیث کا درجہ ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلعم کے اقوال کا مجموعہ ہیں اب مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ

Scanned with CamScanner

کہ مرزا صاحب کا دعوے غلط ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے اعتقادات شرعاً درست نہیں ہیں۔ بلکہ کفر کی حد تک پہنچے ہیں۔ اس لئے ان کو نبی تسلیم کرنیوالا اور ان کی تعلیم پر چلنے والا بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اور کسی سُنی عورت کا نکاح جو قبل از ارتداد اس کے ساتھ ہوا ہو شرعاً قائم نہیں رہتا۔ اور اس اصول کے تحت مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ کے قادیانی۔ مرزائی ہو جانے کی صورت میں اس کیساتھ قائم نہیں رہا۔ لہٰذا ڈگری انفراق زوجیت دیجاوے۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ قادیانی مذہب۔ مذہب اسلام سے کوئی مغایر مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اس مذہب کے صحیح اصولوں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس تعبیر کے مطابق عمل پیرا ہونیو وہ خارج از اسلام نہیں ہو۔ اس کا نکاح قائم ہے۔ اور دعوے مدعیہ قابل اخراج ہے۔

چنانچہ فریقین نے اپنے اپنے اس ادعا کے مطابق شہادت پیش کی ہے۔ جس پر آگے بحث کیجائیگی۔ مقدمہ ہٰذا میں ابتدائی تنقیحات جنکا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چاہے جس شکل یا جن الفاظ میں وضع شدہ ہیں۔ ان کا نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا مفہوم یہی ہے۔ کہ کیا مدعا علیہ نے قادیانی یا مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور کیا اس مذہب میں داخل ہونیسے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کیا اس صورت میں مدعیہ کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اسلئے ان تنقیحات کی ترمیم کے متعلق مدعا علیہ کے عذرات کو وزندار خیال نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان تنقیحات کے الفاظ میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور خصوصاً ان میں ترمیم کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہی۔ کہ اگر مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق بھی بصورت تنقیحات قائم کیجاوے تو مسل پر اسقدر مواد آ چکا ہے۔ کہ اس کی رُو سے اس صورت میں بھی بحث کیجا سکتی ہے

اس سوال پر اب چنداں بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ کہ آیا مدعا علیہ قادیانی مرزائی ہے۔ یا نہ کیونکہ اس نے اپنے اعتقادات کی جو فہرست پیش کی ہے۔ اس میں اس نے صاف طور پر

درج کیا ہے۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو اُمتی نبی تسلیم کرتا ہے۔ اور اُن پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے اس لئے یہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مرزا صاحب کے قادیانی متبعین میں سے ہے۔ اب بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ آیا۔ یہ عقیدہ کفریہ ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے چند گواہان ذیل مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ۔ مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پیش ہوئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ اور مولوی غلام احمد صاحب مجاہد پیش ہوئے ہیں۔ یہ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں۔ ان جملہ گواہان کی شہادتیں کئی معاملات شرعی پر مشتمل ہیں۔ اور بہت طویل ہیں۔ ان کا اگر معمولی اختصار بھی یہاں درج کیا جاوے تو اس سے نہ صرف فیصلہ کا حجم بڑھ جائیگا بلکہ اصل معاملہ کے سمجھنے میں بھی الجھن پیدا ہو جائیگی۔ اس لئے ان شہادتوں سے جو اصول اور دلائل اخذ ہوتے ہیں۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر دربار معلیٰ کی ہدایت کے مطابق ان شہادتوں کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے یا نہ ماننے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے۔ اور کہ کیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا نہ

مدعیہ کی طرف سے مذہب اسلام کے جو اہم اور بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں مفصل درج ہیں۔ یہاں انکا مختصر اعادہ کیا جاتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے معنے یہ ہیں۔ کہ کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کر لیا جاوے اور کہ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کر لینے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور حق ناشناسی۔ یا

منکر ہو جانے یا منکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تواتر سے یا خبر واحد سے۔ تواتر اسے کہتے ہیں۔ کہ کوئی چیز نبی کریم سے ایسی ثابت ہوئی ہو۔ اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو۔ کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواتر اسنادی۔ تواتر طبقہ۔ تواتر قدر مشترک اور تواتر توارث۔

تواتر اسنادی اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہو۔

تواتر طبقہ اُسے کہتے ہیں۔ کہ جب یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر

تواتر قدر مشترک یہ ہے کہ حدیثیں کئی ایک خبر واحد ائی ہوں۔ جن میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہو۔ جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً نبی کریم صلعم کے معجزات۔ جو کچھ متواتر ہیں۔ اور کچھ خبر احاد ہیں ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک بنتا ہے۔ تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گراودھیہ نے یہ کی ہے۔ کہ بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ اور سند کے متواتر نہیں ہیں۔ وہ باعتبار معنے کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معنوں کو اتنی سندوں سے اور اتنے راویوں نے بیان کیا ہو۔ کہ جنکا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث اُسے کہتے ہیں۔ کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ اور یہ تواتر اسطرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جاوے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا۔ کفر صریح ہے۔ اور متواترات کو تاویل سے پلٹنا بھی کفر ہے۔ کفر کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے۔ اور ۵۰ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے۔ تو یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کہدے۔ کہ خدا کیساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسیطرح یہ کہنا بھی کفر قولی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم (حضرت محمد مصطفیٰ) صلعم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئیگا۔ کیونکہ تواتر توارث کی ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک

رہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا

اسیطرح کوئی شخص اگر اپنے مساوی سے کہہ دے۔ کہ کمبخت۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ استاد و باپ سے کہے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کیساتھ یہ معاملہ کرے۔ تو کفر صریح ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں۔ قرآن مجید ہے و اجماع بالفصل ہے۔ اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے۔ اور کوئی مسلمان جو اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے۔ اسلام ہے شناخت مسلمانوں کی۔ اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں۔ اسلام کی۔ اگر اجماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جاوے۔ تو دین ڈھ گیا۔

جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو زبان سے کہتا ہو۔ اُسے منافق کہتے ہیں۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو۔ لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو اُسے زندیق کہتے ہیں۔ اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد کے معنی یہ ہیں۔ کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہکر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرکے خارج ہو جائیگا۔ اور ایمان یہ ہے۔ کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفٰے صلعم جس چیز کو اللہ تعالٰے کی جانب سے لائے ہیں۔ اور اس کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے اور ہر مسلمان خاص و عام اُسے جانتے ہیں۔ اس کو تصدیق کرنا۔

ضروریات دین وہ چیزیں ہیں۔ کہ جن کو خواص و عوام پہچانیں۔ کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا۔ رسالت کا۔ اور پانچ نمازوں کا اور مثل اُن کے اور چیزیں۔

شریعت کے اگر کسی لفظ کو بحال رکھا جا کر اس کی حقیقت کو بدل دیا جاوے۔ اور وہ امر متواترات سے ہو تو وہ کفر صریح ہے۔ کفر و ایمان کی اس شرعی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ایک مسلمان بعض قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کافر اور خارج

از اسلام ہو جاتا ہے۔

ختم نبوۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی نبوۃ کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل و تخصیص کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصلی عقائد میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے عہد سے لیکر آجتک نسلاً بعد نسلٍ ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے، اور احادیث متواترۃ المعنیٰ سے اور قطعی اجماع امت سے ضروریات دین کی طرح ثابت ہے۔ اور اس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے۔ اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں اگر کوئی تاویل یا تخصیص نکالی جاوے۔ تو وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائیگا۔

یہ اصول ہیں۔ جن کے تحت میں اور بھی ایسے بہت سے فروع موجود ہیں۔ جو مستقل موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر اور تقدیر پر یقین رکھا جاوے اور اسلام گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اس کے رسول ہیں۔ اور نماز کا ادا کرنا اور زکوٰۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنا اگر استطاعت ہو۔ اور جو شخص زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے اور دل سے اس کے مطالب کی تصدیق کرے۔ تو ایسا شخص یقینی طور پر مومن ہے۔ اگرچہ وہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو اور اسلام کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور محرمات بیان کئے ہیں۔ کہ بعض اشیاء حلال اور بعض حرام ہیں۔ ان پر بلا کسی اعتراض کے اپنی رضامندی کا اظہار کیا جاوے۔ اور جو شخص ان اعمال صالحہ کا پابند ہو۔ کہ جو قرآن مجید میں ایک مومن کا طرۂ امتیاز قرار دئے گئے ہیں۔ تو وہ شخص مومن اور مسلمان ہے۔

Scanned with CamScanner

یہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ چار ارکان اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور دین کے جزو بیان ہونے ہیں۔ فریق مدعیہ کو بھی کوئی کلام نہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا ان باتوں پر فریق ثانی کا عقیدہ ان امور کے تحت جو فریق مدعیہ کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ دیگر عام مسلمانوں کا۔ یا کہ اس سے مختلف۔ کیونکہ مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جو شخص عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعوے بھی کرے۔ لیکن ان کی ایسی تاویل اور تحریف کرے۔ کہ جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

مدعیہ کیطرف سے دین اسلام کے ثبوت کے متعلق جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مدعا علیہ کیطرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تواتر اور اجماع کے امور کو خود ان کے پیشوا۔ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب ایام الصلح میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ امور جو اہلسنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ ایک دوسری کتاب انجام آتھم میں لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص اس شریعت پر بمقدار ایک ذرہ کے زیادتی کرے۔ یا اس میں سے کمی کرے یا کسی عقیدہ اجماعیہ کا انکار کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور ملائکہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ یہ میرا اعتقاد ہے۔ اور کتاب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۲۰ پر لکھتے ہیں کہ تواتر کی جو بات ہے۔ وہ غلط نہیں ٹھیرائی جا سکتی۔ اور تواتر اگر غیر قوموں کا بھی ہو۔ تو وہ بھی قبول کی جائے گا۔ مدعیہ کے گواہان کے بیان کردہ اصول اور قواعد کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے گواہان نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہیں۔ ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں بلکہ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ان کے فتاوی اور اقوال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اسے اختیار کریں اور خلاف کو چھوڑیں

کہ جو شخص کسی حدیث کو یا قول کو قرآن مجید کے واقعی طور پر خلاف ثابت کردے۔ تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور کہ ہر کوئی شخص کسی فن کا امام ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بات کسی دلیل کے ساتھ ثابت کردے۔ تو وہ مان لی جائے گی۔ صحابہ بھی تفسیر میں غلطی کرتے تھے۔ یہ بیان مولوی جلال الدین صاحب شمس گواہ مدعا علیہ کا ہے۔ اس کا دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ کوئی شخص جو کلام کرتا ہے اس کلام کے معنے وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور اس کلام کے معنے جو وہ بیان کرے گا یا تاویل کرے گا وہی مقدم ہوگی۔ اور کہ گواہ مذکور کے نزدیک قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو قرآن مجید سے تطابق رکھتی ہو۔ اور جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے وہ خود تطابق کرسکتا ہے۔ اور میرے لئے قرآن شریف کی مطابقت دیکھنے کے لئے میرے واجب الاطاعت اماموں کی بیان فرمودہ مطابقت یا میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور کہ ہر وہ بات جس کی تائید قرآن شریف سے نہیں ہوتی۔ اور قرآن شریف کی تصدیق یا نہ احادیث نبویہ سے بھی جس کلام کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یا اماموں کے ایسے اقوال کہ جن اقوال کی تصدیق قرآن اور مندرجہ بالا احادیث سے ہو چکی ہو۔ اور ان اماموں کے کوئی اور قول جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور مصنفین کی کتابیں جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ وہ مجھ پر حجت نہیں ہیں۔

اور کہ قرآن کی تفسیر کے لئے کسی خاص شخص کی تعیین نہیں۔ کہ وہ جو معنے کریگا۔ خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اس کو مانا جاوے۔ اور اس کے خلاف معنے کو رد کیا جاوے۔ اگر صحابہ سے کوئی صحیح تفسیر ثابت ہو جائے۔ جس کے خلاف قرآن کی کوئی تصریح نہ ہو۔ اور صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی بھی تصریح نہ ہو۔ زبان عربی کی بھی کوئی تصریح ان معنوں کے خلاف نہ ہو۔ وہ بہرحال مقدم ہوگی۔ اور اس کے خلاف معنے کرنے والے کو محض اس لئے کہ وہ ان معنوں کے خلاف کرتا ہے۔ خاطی نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ قرآنی تصریح کے خلاف معنے نہ کئے جاویں۔ صحابہ کرام کی طرف منسوب شدہ بات کہ انہوں نے کی ہے یا کہی ہے یا نقل کی ہے۔

اگر قرآن شریف کے مطابق ہے۔ تو قابل قبول ہے۔ اگر صحابہ کرام کیطرف منسوب شدہ بات کو ثابت شدہ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ ان تک روایت پہنچی ہے۔ تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کسی غیر صحابی کی تحقیق ایسی ہے جو قرآن شریف کی صحیح نصوص کے مطابق ہو۔ عربی زبان کی سند ساتھ رکھتی ہو۔ دیگر احادیث میں بھی تائید رکھتی ہو۔ تو صحابی کی تحقیق سے مقدم ہے۔ ان شرائط کے بغیر اگر کوئی غیر صحابی کوئی تحقیق پیش کرتا ہے۔ اگر وہ پیش کرنے والا خدا کیطرف سے ملہم اور مامور نہیں ہے۔ کہ جسکی وحی و الہام کی تصدیق قرآن پاک کی صراحت سے ہو چکی ہو۔ بلکہ عام شخص ہے تو اُس کی ذاتی رائے ان کی شرائط سے علیحدہ کر کے صحابی کی بیان کردہ تصریح سے سننے والے اور ماننے والے کے اختیار پر ہو گی۔ کہ اُسے راجح سمجھے یا نہ سمجھے۔ کسی حدیث کو قرآن کی مطابقت میں صحیح قرار دینے والا خود مختار ہے کہ وہ اپنے استدلال کی رُو سے اُسے مطابق قرار دے۔ یا تصریح کے لحاظ سے مطابق قرار دے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر دو فریق کے بیان کردہ اصولوں میں سے معقولیت کس میں ہے۔ ایک تو اپنے دین کی بنیاد چند منظم اصولوں پر کر کے جن کو قدامت کی قوت حاصل ہے۔ قائم کر کے اُسے بطور ایک ضابطہ اور قانون کے پیش کرتا ہے۔ دوسرا اُسے ایک کھلونا بنا کر ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ دین کو ایک مستقل دستور العمل سمجھا جاوے۔ اُسے ہر لحظہ و ہر آن تغیر تبدل کا محل قرار دیتے ہوئے ایک بازیچۂ اطفال بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ہر شخص اس بات کا اہل اور مجاز ہو سکتا ہے۔ کہ وہ جب چاہے بلا روک ٹوک اپنے اجتہاد کی بنا پر ایک نیا رستہ نکالکر اُس پر چلنا شروع کر دے۔ اور نہ کسی صحابی۔ نہ کسی امام۔ نہ کسی بزرگ۔ نہ کسی دوسرے ماہر فن کی کوئی پرواہ کرے۔ بلکہ شارع کے جس قول کو وہ درست سمجھے۔ اور اُس کا منشا جو وہ قرار دے۔ اسکے مطابق عمل کرے۔ اور اگر اُسے کوئی گرفت کرے تو فوراً اپنے قول کی کوئی تاویل گھڑ کر پیش کر دے۔ اور چونکہ وہ تاویل مقدم سمجھی جائے گی۔ اس سے کوئی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ

سکیگا - اور بچارہ گرفت کرنے والا منہ کی کھا کر چُپ ہو جائیگا - اس اصول کے تحت نہ صرف کسی دین کی بلکہ کسی قانون کی کوئی حقیقت نہیں رہتی - کیونکہ اس قسم کی وسعت ہر اُس ضابطہ میں کہ جس کا اجراء بطور قانون مقصود ہو - متصور ہو سکتی ہے - اور اس صورت میں پھر کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہو سکتا - اور وہ محض نقش فی نفسہ رہجاتا ہے -

اگر ان اصولوں کو جو فریق ثانی کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں - بروئے کار لایا جاوے تو یہ نہ صرف دین کہلائے جانیکا ہی مستحق نہیں رہتا - بلکہ ایک مضحکہ انگیز چیز بنجاتا ہے - اور بجائے اس کے کہ اس میں کوئی یکجہتی پیدا کیجا سکے - ہر شخص انفرادی حیثیت سے اپنی منشاء کے مطابق اپنے لئے ایک علیحدہ دین بنا سکیگا -

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے - کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل دین اسلام جن باتوں پر قائم تھا - اب کوئی ان کی اصلیت اور بنا نہیں رہی - اور اب بناء صرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے اقوال و معتقدات پر ہی ہے - کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک اب ان صاحبان کے سوا نہ کسی پہلے صحابی کی - نہ امام کی - نہ بزرگ کی کوئی بات مقدم اور صحیح ہے - بلکہ جو کچھ مرزا صاحب اور اُن کے خلفاء نے کہا ہے اور لکھا ہے - وہی درست ہے - اور ان کی کتابوں کے سوا اور کوئی کتاب حجت نہیں ہے - اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے - کہ مرزا صاحب کا دین اس دین اسلام سے مختلف ہے - جو مرزا صاحب کے دعوے سے قبل مسلمان سمجھتے رہے ہیں - [illegible] مدعیہ کیطرف سے بجا طور پر یہ کہا گیا ہے - کہ مذہب کے لحاظ سے ہر دو فریق میں قانون کا اختلاف ہے - اور مدعا علیہ کیطرف سے بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اصولی اختلاف بھی ہے اور فروعی بھی - اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ بیان کرتے ہیں - کہ احمدی مذہب والے نے مہمات دین کے بہت سے اصول کو تبدیل کر دیا ہے - اور بہت سے اسماء کا معنی بدل دیا ہے - آگے ظاہر ہو جائیگا - کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے -

اب وہ عقائد بیان کئے جاتے ہیں کہ جنکی بناء پر فریق ثانی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے - کہ

وہ مرتد اور کافر ہے۔ اس ضمن میں (۱) وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مانتا ہے۔ اس لئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ مرزا صاحب کے معتقدات کیسے ہیں۔ اور کیا وہ نبی ہو سکتے ہیں یا نہ۔ اور کسی کو نبی ماننے سے کیا قباحت لازم آتی ہے۔ اور کیا ان کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر انہیں مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس سے ان کے اتباع سے مدعا علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے ان امور کے تحت جو ان کے بیان کے حوالے سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ چند وجوہات ایسی بیان کی ہیں۔ کہ جن کی بنا پر اُن کے نزدیک مرزا صاحب باجماع اُمت کافر اور مرتد قرار دئے جا سکتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ان کی رائے میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے ان کے کفر و ارتداد اور ان کے متبعین کے کفر و ارتداد پر متفق ہیں۔ یہ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنے کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔
۲۔ دعوے نبوۃ مطلقہ و تشریعیہ
۳۔ دعوے وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔
۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔
۵۔ آنحضرت صلعم کی توہین
۶۔ ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا۔

تقریباً یہی وجوہات دیگر گواہان مدعیہ نے بھی بیان کی ہیں۔ اب ذیل میں حسب بیانات گواہان مذکورہ ان وجوہات کی تشریح درج کیجاتی ہے۔

امور ۱ تا ۳ ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ لہذا ان پر جو بحث کیگئی ہے وہ یکجا درج کیجاتی ہے۔ اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال پر جو ان کی مطبوعہ کتب میں موجود ہیں

امت میں [illegible] کیا ہے۔

۱- اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا حقیقت الوحی صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰

۲- الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ۔ خدا کا مامور۔ خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم صفحہ ۶۲)

۳- مجھے اپنی وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توریت۔ انجیل اور قرآن پاک پر۔ اور کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ میں ان کی ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سنکر اپنے یقین کو چھوڑ دوں گا۔

۴- میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں (حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰)

۵- ہاں یہ نبوۃ تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے۔ اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعوے کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ ضمیمہ حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۷۲

۶- اگر کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے۔ نہ کہ ہر مفتری۔ تو اول تو یہ دعوے بلا دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے۔ اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔

Scanned with CamScanner

اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں۔ اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے احکام ہوں۔ تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔ یعنے قرآنی تعلیم توراۃ میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے۔ جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر توراۃ اور قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۶۔)

اس کتاب کے حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں۔ کیونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے۔ فلک یعنے کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ایک الہام کی یہ عبارت ہے۔

(اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ جو اُنکے ہاتھوں پر ہے۔)

اب دیکھو خدا نے میری وحی میری تعلیم اور میری بیعت کو نُوح کی کشتی قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھیرایا ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ جس کے کان ہوں سُنے۔

۵۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرف مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اُس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ صاحب شریعت رسول کا متبع ہو۔ بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے۔ کہ اس امت کو آنحضرت کے بعد قیامت تک مکالمات الٰہیہ سے بے نصیب قرار

دیا جاوے۔ وہ دین دین نہیں۔ نہ وہ نبی نبی ہے۔ جس کی متابعت سے انسان خدا تعالےٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا۔ کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے۔ جو یہ سکھلاتا ہے۔ کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الٰہی آگے نہیں۔ بلکہ پیچھے رہ گئی۔ . . . . . . اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے۔ تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ خدائی آواز ہے۔ یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۹)

۹۔ سچا خدا وہی خدا ہے۔ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء صفحہ ۱۱)

۱۰۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا۔ کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ ھُوَ لَذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی . . . . الخ اعجاز احمدی صفحہ ۷

۱۱۔ میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے ان سب کی اصلاح کیواسطے مامور ہوں (حاشیہ حقیقت الوحی صفحہ ۱۹۲)

۱۲۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر کہنا یہ صرف ن نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے سوا جس قدر ملہم۔ محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان علے رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بنجاتا۔ حاشیہ (تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱)

۱۳۔ حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۳ پر عبارت ذیل جاءنی آئیل . . . . . واشارہ کے تحت یک نوٹ ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ اس جگہ آئیل خدا تعالےٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے اس لئے بار بار رجوع کرتا ہے۔

۷- غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔

۸- حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں۔ کہ جس نے احکام وعقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۲۲۱)

۹- حقیقت الوحی میں ایک وحی بالفاظ ذیل درج ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔

۱۰- حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ظلی نبوۃ جس کے معنے ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا۔ وہ قیامت تک باقی رہیگی

۱۱- کتاب حق المبین صفحہ ۱۰۲ پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء کو نبوۃ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین کا لفظ آیا ہے جس پر الف لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لانیوالی نبوۃ اب بند ہو چکی ہے۔ پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا۔ وہ کافر ہے۔

ان حوالجات سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ بالفاظ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب اور ان کے تمام متبعین کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت تشریعی کا دروازہ بند ہے آپ کے بعد جو نبوت تشریعی کا دعوےٰ کرے۔ وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ قول میں مرزا صاحب نے اپنی تشریعی نبوت کا کھلے الفاظ میں دعوےٰ کیا ہے۔ اور ایسی چند باتوں کی تشریح مرزا صاحب نے خود دی۔ ایک یہ کہ شریعت کیا چیز ہے جس کی وحی میں امر اور نہی

ہو۔ جس نے اپنی اُمت کے لئے کوئی قانون مقرر کیا ہو وہی صاحب شریعت ہوگا۔ یہ تعریف کر کے مرزا صاحب اپنا صاحب شریعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح مرزا صاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی صاف فرما دیا ہے۔ کہ وحی میں جو حکم آئی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم نیا ہو۔ بلکہ اگر پہلی شریعت کا بھی حکم اس کے پاس بذریعہ وحی کے آئے تو بھی یہ صاحب شریعت ہونے کے لئے کافی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی بہت سی وحی وہ بیان کی ہے۔ جو کہ آیات قرآنی ہیں۔ اس لئے وہ بھی مرزا صاحب کی شریعت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اس شبہ کا بھی جواب دے دیا۔ کہ صاحب شریعت کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کی شریعت میں نئے احکام ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالے نے قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے۔ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسےٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی۔ اب اگر شریعت جدیدہ کے لئے یہ ضروری ہو۔ کہ اس نبی کی شریعت اور وحی اور کتاب میں سب نئے احکام ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم بھی صاحب شریعت نہ ہوں کیونکہ قرآن میں سارے احکام نئے نہیں۔ اس کلام کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جیسے پہلے انبیاء اور رسول اللہ صلعم صاحب شریعت نبی ہیں۔ ویسے ہی مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ بھی صاف کر دیا۔ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام اوامر و نواہی اس شریعت اور کتاب اور وحی میں پورے پورے بیان ہونے چاہئیں تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ تمام احکام توریت اور قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔ اگر تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہوتے۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اگر کوئی مدعی نبوت ایک امر و نہی کا بھی دعوے کرے اگرچہ وہ امر و نہی پرانی ہو۔ تو وہ نبی صاحب شریعت کہلایا جائیگا۔ اور اس میں اور رسول اللہ صلعم میں باہمی کچھ فرق نہیں۔ کہ یہ دونوں صاحب شریعت ہیں۔

یہ بات بھی ثابت ہو گئی۔ کہ جو کوئی نبی کو خدا کا بھی حکم آوے۔ کہ تجھکو ہم نے نبی کر کے بھیجا ہے اور فرعون پر اس حکم کی تبلیغ کر اور جو کوئی اس حکم کو نہ مانیگا۔ وہ کافر ہے۔ تو وہ نبی بھی صاحب شریعت اور نبی تشریعی ہو گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جو نبی حقیقی ہے۔ اور جو نبی شرعی ہے اس کے لئے نبی تشریعی ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مرزا صاحب اپنی تحریر اور اس قرار کے مطابق کافر ہوئے۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ میری کشتی کو کشتی نوح قرار دیا گیا ہے۔ جو اس میں ہوگا۔ وہ نجات پائیگا۔ اور جو الگ ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ یہ مرزا صاحب کی شریعت کا نیا حکم ہے۔ جس نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کیا۔

مرزا صاحب نے ایک نیا حکم یہ بھی دیا ہے۔ کہ ان کی عورتوں کا نکاح غیر احمدیوں سے جائز نہیں۔ یہ بھی حکم شریعت محمدیہ کے خلاف ہے۔

(یہ فیصلہ بحوالہ کتاب انوار الخلافۃ مرتبہ مرزا محمود صاحب صفحہ ۹۳-۹۴ اخذ کیا گیا ہے) مرزا صاحب کی شریعت میں ایک نیا حکم اور یہ بھی ہے۔ جو تمام اسلام کے خلاف ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے چندہ کی تحریک فرما کر یہ حکم فرمایا ہے۔ کہ جو کوئی چندہ تین ماہ تک ادا نہ کریگا وہ میری بیعت سے خارج ہے۔ اور بیعت سے خارج ہونیکا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور کافر ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کے لئے بھی خدا نے یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اگر تین ماہ تک کوئی زکوٰۃ نہ دے۔ تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے ایک فرمان سے جو درج پرچی میں جو قادیان سے دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی دیا گیا ہے

اس فرمان کے چیدہ چیدہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میری انہی سے پیوند ہے۔ یعنے وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔ . . . . . ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس پر کچھ ماہوار مقرر کرے۔ . . . . جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا . . . . . . وہ منافق ہے اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں نہیں رہ سکیگا۔ . . . . . . اگر تین ماہ تک کسی کا جواب

Scanned with CamScanner

نہ آیا۔ تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

اس کے آگے گواہ مذکور آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ تو کوئی رسول بھی آپ کے بعد بطریق اولیٰ نہیں۔ کیونکہ رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ اور اس کی تائید میں احادیث متواترہ ہیں۔ جن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ایسی احادیث کا انکار کرنیوالا ویسا ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا انکار کرنے والا۔ پس یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو ختم نبوت کا انکار کرتا ہے۔ وہ قرآن کا منکر ہو کر بھی کافر ہوا۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند ائمہ دین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ان سے یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ احادیث متواترہ میں یہ خبر درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی پیدا ہونیوالا نہیں ہے۔ اور کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بعد اس مقام نبوۃ کا دعوے کرے وہ جھوٹا مفتری افترا پرداز ہے۔ دجال اور گمراہ کرنیوالا ہے۔ اگرچہ شعبدہ بازی کرے۔ قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے اور کہ جو شخص دعوے نبوت کرے۔ وہ کافر ہے۔ اور پھر ان حوالجات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ یقینی ہے۔ اور اجماعی ہے۔ کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ اور آپکے بعد کوئی کسی قسم کی نبوۃ میں نبی نہ بنیگا۔ عیسے علیہ السلام کا آنا اس کا منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے نبی بن چکے ہیں۔ خاتم الانبیاء کے معنے بھی یہی ہیں۔ کہ اپنے قوم سے کسی نبی کو نبوت آپ کے بعد نہیں مل سکتی۔ اس کی تائید میں چند دیگر آیات قرآنی اور احادیث بھی پیش کیگئی ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں اور ان کا حوالہ دیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ انکار ختم نبوت کفر اور ادعا نبوت بھی کفر اور ادعاء وحی بھی کفر ہے۔ البتہ ایک حدیث کا یہاں حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس پر آگے مدعا علیہ کے جواب کے وقت بحث کیجائے گی۔ وہ حدیث بایں مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم نے

ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میری مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے۔ اُس شخص کی سی ہے۔ کہ جس نے ایک مکان تعمیر کیا۔ اور بہت اچھا اور بہت خوبصورت اس کو بنایا۔ مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی۔ لوگ اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کی جگہ جو خالی ہے اُس کو کیوں پُر نہ کر دیا گیا۔ سو میں ہوں وہ اینٹ۔ اور میں ہوں خاتم النبیین۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ تعمیر بیت نبوت جو ابتدائے آفرینش سے ہو رہی تھی۔ وہ بدوں سرور عالم صلعم کے ناقص تھی۔ سرور عالم کے وجود باجود سے وہ مکمل ہو گئی۔ اور بیت النبوۃ میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اب اگر کوئی اینٹ ہو گی تو وہ بیت النبوۃ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص مدعی نبوت ہو گا۔ تو خدا نے جو نبوت کا گھر تعمیر کیا ہے۔ وہ اُس کا جزو نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب کے قول ۵ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام و قواعد دین جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ اگر مرزا صاحب نے احکام و عقائد اس ذریعہ سے حاصل نہیں کئے۔ تو دعوے نبوت جھوٹ ہوا۔ اور جھوٹا مدعی نبوت باتفاق کافر ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کے قول ۲ سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے پر جبرئیل علیہ السلام کے نزول کے مدعی ہیں۔ اور صرف دعوے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی شان نبوت و رسالت کا سکہ جمانے کے لئے تمام خصوصیات نبوۃ و لوازمات رسالت کو نہایت جزم اور وثوق کیساتھ اپنی ذات کے لئے ثابت کرنے میں کسر نہیں چھوڑی جن خصوصیات کیوجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت دوسرے مقربان بارگاہ الٰہی سے ممتاز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی نزول جبرئیل ہوا کرتا ہے اور ان کے وحی و الہام قطعی و یقینی ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی اپنے

وحی کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ یہ خصوصیات داوہ ایسی ہیں۔ جو سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحاب شریعت کے اور کسی دوسرے مقرب بارگاہ الٰہی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب حقیقی نبوت کے مدعی تھے۔ اور اپنے آپ کو اس معنے میں نبی اور رسول ظاہر کرتے تھے۔ جس معنے میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔

مگر ہاں مرتبہ نے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے بھی یہ دکھلایا ہے۔ کہ وہ خود قبل از دعوےٰ نبوت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور کہ آپ آخری نبی ہونے کے معنوں میں خاتم النبیین ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۲۲ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نبی کیونکر آ سکتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی دیوار روئیں اس کو آنے سے روکتی ہے۔ آگے اس کتاب کے صفحہ ۵۳۴ پر لکھتے ہیں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔ اور کتاب حمامۃ البشریٰ میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ...... خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کی تشریح میں لکھتے ہیں ہمارے نبی صلعم خاتم النبیین ہیں۔ بغیر کسی استثنا کے اور ہمارے نبی صلعم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور ہمارے نبی صلعم کے بعد اگر ہم کسی نبی کے ظہور کے جواز بنیں گے تو نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس کو کھولنے کے قائل ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہے۔ ہمارے نبی صلعم کے بعد کس طرح کوئی نبی آ سکتا ہے۔ حالانکہ آپ کے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے۔ اور نبی آپ کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال کے گذرنے کے بعد بھی ایسی حالت کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں دین کی تکمیل ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو دین کی تکمیل اور اس کے کمال سے زافت کا سلسلہ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول کہ الیوم اکملت لکم دینکم جھوٹی خبر ہو گئی۔

Scanned with CamScanner

اور خلاف واقع ہو گئی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۹۴ کے ایک حوالے سے دکھایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب بھی پہلے دعوے نبوۃ کو کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعوے کروں۔ اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین کے ساتھ ملجاؤں ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ بات مستلزم محال ہے۔ کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل کی وحی رسالت کیساتھ زمین پر آمدورفت شروع ہو جائے ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے۔ جو امر مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ تحریر فرمایا۔ کہ میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کیوجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ عیسٰی ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالےٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرف منسوب تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں۔ اور یہ فرمایا کہ تمہارے آنیکی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا۔ اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھدیا۔ اور شائع کر دیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور میری آنکھیں اسوقت تک بالکل بند رہیں جبتک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھکو نہ سمجھایا۔ کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا۔ اور وہ واپس نہیں آئیگا (براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۹۴)

ایک اور جگہ کتاب حقیقت النبوۃ صفحات ۲۶۵/۲۶۶ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو درحقیقت خاتم النبیین تھے۔ مجھے نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے۔ کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد

اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ آگے لکھتے ہیں۔ کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں اور کمالات کیساتھ اپنی نبوۃ کا بھی اظہار کریں۔ اور یہ بروز خدا کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا۔ وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی رنگ کی نبوۃ مجھے عطا کیگئی ہے۔ اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دُنیا بے دست وپا ہے۔ کیونکہ نبوت پر مہر ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔ کہ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھکر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظل تھے۔ نبی کریم کے خاص خاص صفات میں۔ اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔ اس عبارت سے نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ ظل اور بروز کے لفظ محض لفاظ ہی الفاظ ہیں۔ مراد ان سے حقیقت کاملہ نبوۃ ہے۔

ان تصریحات سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ کا یہ استدلال ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے اپنی نبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ محض لاطائل اور بے معنٰی سی ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کے لکھتے وقت اور اس سے مدتوں پہلے اپنی قرآن دانی اور حکم فہمی کے مدعی تھے۔ اگر ان کو اس سے پہلے قرآن کی رُو سے کسی نئے نبی کے آنیکا انکار تھا۔ تو بعد میں قرآن کی کونسی آیت اُتری یا نبی کریم صلعم کی کونسی حدیث پیدا ہوئی جسکی بنا پر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خاتم النبیین کی آیت اور الیوم اکملت لکم۔ کی آیت اُس وقت بھی قرآن میں موجود تھیں۔ یہ ہر دو آیتیں قسم اخبار میں سے ہیں۔ اور اوامر ونہی کیساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر

ادعائے نسخ سے پناہ لیکر کوئی تاویل کیجاوے تو وہ امر و نواہی میں جاری ہوسکتی ہے اخبار میں نہیں ہوسکتی۔ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔ پھر کیونکر از روئے قرآن یا حدیث اپنے کو ادعا نبوت میں صادق کہہ سکتے ہیں

ختم نبوۃ کے معنے کو جیسا کہ عام عقیدہ ہے۔ مرزا صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے کلام میں اسی طرح اس کو استعمال کرتے ہیں لیکن صرف اپنی خوش خیالی کو باقی رکھنے کے لئے بے محل اور خلاف محاورات عرب تاویل کرکے جان بچانے کی کوشش کی ہے۔

آگے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے بعد بروزی طور پر اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خود انہی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو شخص خاتم ہو۔ اس کا بروز بھی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۲۷۷ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ "مگر مہدی معہود بروزات کے لحاظ سے بھی دنیا میں نہیں آئیگا۔ کیونکہ وہ خاتم الاولاد ہے" اس کتاب کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بعض اکابر اولیاء کے مکاشفات ہیں۔ اور گر احادیث نبویہ کو بغور دیکھا جاوے۔ تو بہت کچھ ان سے ان مکاشفات کو مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ قول اس حالت میں صحیح پڑتا ہے۔ جب مہدی معہود اور مسیح موعود کو ایک ہی شخص مان لیا جاوے۔ اس حوالے سے مرزا صاحب کا بروزی اور ظلی نبی ہونیکا دعوے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت **محمد الرسول اللہ صلعم خاتم النبیین والمرسلین** ہیں۔ آپ کے بعد جو شخص اپنے لئے ادعا نبوت کرے۔ یا کسی دوسرے کو نبی مانے تو وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر۔ مرتد۔ اور خارج از اسلام ہے۔ اس کی تائید کہ ظلی اور بروزی الفاظ محض الفاظ ہی ہیں اور کہ اصل مرزا صاحب کی مراد حقیقی نبوت سے ہے۔ مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر محمود صاحب کی ایک تحریر سے ہوتی ہے۔ جو اخبار الفضل مورخہ ۲۶ نومبر [illegible] کے حوالہ سے وقیقہ کے گروہ مولوی مرتضےٰ حسن صاحب نے نقل کی ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری وحیوں میں حضرت اسمٰعیل۔ حضرت ادریس علیہم السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی خدا کی آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں۔ اور اس نبی کے ساتھ کوئی مجازی یا ظلی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے۔ کہ اپنے آپ کو خود بخود ایک جرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگجائیں بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوۃ کا ثبوت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر کیونکہ ہم چشمدید گواہ ہیں مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دیسکتے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا۔ اور کہیں بروزی اور ظلی نبی نہیں کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کریں گے۔ اور آپ کی تحریریں جن میں انکساری اور فروتنی کا غلبہ ہے اور جو نبیوں کی شان ہے۔ اس کو ان الہامات کے تحت کریں گے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ الفاظ انکساری اور تواضع کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان کے معنے مراد نہیں ہیں۔ مرزا صاحب جہاں اپنے آپ کو بروزی یا ظلی یا مجازی نبی کہتے ہیں اس کا مطلب صرف حقیقی نبی سمجھنا چاہیئے۔

اسیطرح خلیفہ دوم اخبار الفضل مورخہ ۲۰ جون ۱۹۱۶ء بذیل صفحہ ۲ کی سطر (۱) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم نہ کرنا۔ اور آپ کو امتی قرار دینا۔ یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں امتی قرار دینا ہے۔ اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔

ختم نبوت اور انقطاع وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گراہ مدینہ نے ایک اعلےٰ دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جس کی توجیہ یہ ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی خبر دی ہے یہ ابتداء وحی اور آغاز وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح علیہ السلام کے زمانہ تک پہنچتے ہیں اور قرآن شریف سے یہ پتہ

دیتے ہیں۔ کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یا نہ جواب ملتا ہے کہ ہاں جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِیْمَ وَوَهَبْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمْ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ دوسری بات اس سے یہ ثابت ہوئی۔ کہ نبوت کا ظرف اور محل آل ابراہیم ہی ہے۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ عز اسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیئے ہیں۔ ایک بنی اسحاق جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ دوسرے بنی اسماعیلؑ جن میں آنحضرت صلعم تک کوئی نبی نہ آیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کیطرف نگاہ کیجائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ولقد اتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور کئی ایک رسولوں کے آنیکا وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ اَلرُّسُلُ سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آتا ہے۔ تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے۔ کہ آیا بکثرت انبیاء ابھی آئینگے؟ یا کیا ہوگا۔ تو خداوند تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ...... الخ خداوند سبحانہٗ تعالےٰ نے یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر اسلوب جواب کو بالکل بدلدیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہوکر آیا ہوں اور مجھ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات جو خدا کیطرف سے ان کو عطا ہوئی ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خوشخبری دیتا ہوں۔ ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئیگا۔ نام اس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آنیکی خبر دی تھی۔ اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دیکر اس کے نام سے مشخص اور معین فرمادیا

اسلوب صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ احمد صلعم پر نبوت کو ختم کر رہا ہے اور عام طور پر جو پیغمبروں کے آنیکا اسلوب تھا۔ اس کو بدل کر ایک خاص معین شخص کے آنے کی اطلاع دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم کا زمانہ آتا ہے تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے یا بند ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُم وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّين یہ بات قابل غور ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے۔ اور رسل کے آنے کی اطلاع دی۔ اور آنحضرت صلعم پر آکر اس اطلاع کے برخلاف جو بصورت اجراء نبوت بشکل سابق ایسی اطلاع دہرانی ضروری تھی۔ جیسا کہ پہلے دی گئی۔ ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔ جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ قرآن کریم صریحی طور پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے۔ اور دیگر گواہان مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے۔ دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے جب ایک نبی فوت ہو جاتا۔ تو دوسرا نبی آ جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلیفہ ہونگے پس بہت ہوں گے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے۔ آپ نے جب حضرت علی کو اہلبیت کی نگرانی کے لئے چھوڑا تو حضرت علی نے عرض کیا کہ آپ مجھکو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت آنحضرت کے بعد تشریعی یا غیر تشریعی جاری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلعم لا نبی بعدی کہکر اس وصف سے محروم نہ کرتے۔ گواہ مذکور نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور یہ دلیل بھی پیش کی ہے۔ کہ سورہ آل عمران پارہ تیسرا کی آیت قولوا آمنا باللہ وما انزل الیک .... الخ ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی وہ [illegible] میں ہو لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی جو آنحضرت سے پہلے ہو چکے ہیں۔ اور کسی ایسے نبی کے لئے ایمان لانے کی ہدایت نہیں کی۔ جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی نبی آنحضرت صلعم کے بعد آنیوالا ہوتا۔ تو ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرماتا۔ سورۃ بقر کی پہلی دو آیت والذین یؤمنون بما انزل الیک ... میں بھی خداوند تعالیٰ نے انہیں کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور مفلحون فرمایا ہے۔ جو حضرت کی وحی پر اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر [illegible] پر ایمان رکھتے ہیں۔ خود قرآن کریم نے یہ التزام کیا ہے۔ کہ ہر جگہ وحی کیساتھ لفظ قبل کو لایا ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی وحی نبوت والے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں چنانچہ اس کی تائید میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے سورۃ سبا پارہ ۲۲ کی آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس ... الخ سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ متقی بننے کے لئے صرف ان چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو وہ وحی ہے جو آنحضرت صلعم کیطرف نازل کی گئی۔ دوسری وہ جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل کی گئی۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کسی وحی پر ایمان لانے کی نجات در عقبیٰ کی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی یہاں ذکر فرما دیتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نئی بات کی یا نئی وحی کی متقی بننے کے لئے حاجت نہیں۔ اور نہ ہی اس کے آنے پر اس کے ماننے پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مرزا صاحب کی ایک اور تحریر بہت واضح ہے۔ جسکا ذکر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا۔ یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت کے

الگ کرے۔ ورنہ ایک نبی بناکر بھیجیگا۔ اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں"۔ اسیطرح صفحہ ۲۲۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ خداتعالے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے۔ جو اس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب یہ سیدھی بات ہے۔ کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے۔ اور حضرت جبرائیل لگاتار آسمان سے وحی لانے لگے۔ اور وحی کے ذریعہ انہیں تمام اسلامی عقاید اور صوم۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھلائے گئے تو پھر بہر حال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ صرف اتنا کہا جائیگا۔ کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائیگی۔ اور کبھی جبرائیل نازل نہ ہونگے۔ بلکہ وہ مسلوب النبوت ہو کر امتیوں کی طرح بن جائیں گے۔ تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے۔ اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرائیل لائیں۔ اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم النبوۃ کا منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی۔ تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر خداوند تعالے صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلعم ہمیشہ کے لئے وحی نبوۃ لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلعم کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔ اس سے مدعیہ کیطرف سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ کوئی نبی مطیع یعنی امتی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ جب مرزا صاحب نبی ہوئے۔ تو انہوں نے اس وحی کی اتباع کی۔ جو ان پر نازل ہوئی۔ یا قرآن کی۔ اگر قرآن کی اتباع کی تب بھی مرزا صاحب کافر۔ کیونکہ ان کو اپنی وحی کی اتباع

Scanned with CamScanner

ہونی چاہیے تھی۔ اور اگر نئی وحی لی جاتی تھی۔ تب بھی کافر کیونکہ قرآن کو چھوڑا۔ کتاب ازالۂ اوہام مرزا صاحب کے دعوے کے کچھ عرصہ بعد تحریر ہوئی۔ اور اس وقت تک وہ خاتم النبیین کے وہی معنے سمجھتے رہے جو ساری قوم نے سمجھے۔ اور ایک نبی کو تو ایک دفعہ جبریل علیہ السلام کا اترنا اور ایک فقرہ کہنا۔ کہ تم قرآن کا اتباع کرو۔ یہ سب چیزیں مرزا صاحب کے نزدیک ختم النبوۃ کے مخالف تھیں۔ اور اس سے مہر نبوت ٹوٹتی تھی۔

ہر صدی میں کم از کم ایک مجدد آتا ہے۔ ان کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں جو لوگوں سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اور بالخصوص ایسے امور اور اعتقاد کی نسبت کہ جن سے انسان کافر ہو جائے۔ علاوہ ازیں امت میں بے شمار اولیاء۔ ابدال۔ اقطاب گذرے اور تمام صحابہ کرام۔ ان میں سے کسی نے خاتم النبیین کے یہ معنے نہیں کئے۔ جو مرزا صاحب نے اب بیان کئے ہیں۔ اس لئے جو معنے ختم النبوت کے اب تجویز کئے ہیں۔ جس کی بناء پر نبوت کا جاری رہنا اور وحی نبوت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ اور جس مذہب میں وحی نبوت نہ ہو۔ وہ مذہب مرزا صاحب کے نزدیک لعنتی اور شیطانی مذہب کہلانے کا مستحق ہے اس بناء پر اگر یہ معنے صحیح ہیں تو جب تک مرزا صاحب کا مذکورہ بالا عقیدہ رہا۔ مرزا صاحب بھی کافر ہوئے۔ اور ان سے پہلے جتنے مسلمان اس عقیدہ پر گذرے وہ سب کے سب کافر ہوئے۔ اور اگر مسلمانوں کا اور مرزا صاحب کا عقیدہ سابقہ صحیح تھا۔ تو پہلے لوگ تو مسلمان اور مرزا صاحب اس عقیدہ کے بدلنے کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ نتائج مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان سے اخذ ہوتے ہیں۔ آگے وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ جو مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہوتا ہے۔ اس سے اگر مراد محال عقلی ہے تو اس کا اخفاء ناجائز ہے۔ بالخصوص تیرہ سو برس تک۔ جبکہ صحابہ تابعین۔ ائمہ مجتہدین اور ائمہ فقہاء۔ کہ جنہوں نے عقل اور کی بال کی کھال نکالدی ہے اور اگر محال سے مراد محال شرعی ہے۔ تو وہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص اتنے زمانہ تک اور اتنے علمائے متبحرین پر۔ اور مجددین پر۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو اس دعوے کے لکھنے تک یہی عقیدہ تھا کہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں۔ کہ کوئی جدید یا قدیم نبی آ ہی نہیں سکتا۔ علمائے امت نے جو مسئلہ ختم نبوت پر تمام جو بیان کیا ہے اور جس آیت کے معنے لکھے ہیں اور وہ معنے مرزا صاحب کے مسلمات میں سے ہیں۔ وہی ہیں۔ اور اب جو اس معنے سے انکار کرے وہ کافر اور بیشک کافر ہے ایک اور کتاب حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۲۰ پر مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ اس کلام کو جو احادیث میں آیا ہے۔ ظاہری معنے پر حمل کرے۔ اس واسطے کہ آیت **ما کان محمد ابا احد** الخ خاتم النبیین کے مخالف ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم کا نام خاتم النبیین رکھا ہے۔ اور اس میں کسی کی استثنا نہیں کی۔ اور پھر اس خاتم الانبیاء کی خود اپنے کلام میں تفسیر نازل۔ **لا نبی بعدی** سے جو سمجھنے والوں کے لئے بیان واضح ہے۔ اور اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دروازہ وحی نبوت کا بعد بند ہونے کے کھل جائے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے حالانکہ وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ کیا ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آئیں گے اور خاتم الانبیاء وہ بنے نہ ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خاتم الانبیاء کی تفسیر بغیر کسی استثنا کے رسول اللہ صلعم نے اس کلام میں نازل کی کہ **لا نبی بعدی** اور معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کی تفسیر لا نبی بعدی ہے۔ اور خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس میں کسی نبی بروزی ظلی وغیرہ کی قید نہیں اور اب لا نبی بعدی کا یہ معنے لینے کہ اس سے مراد صرف ایسا نبی ہے جو مستقل نبی ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر اس نے نبوت حاصل کی ہو کیونکہ یہ معنے مرزا صاحب کے نزدیک غلط ہیں اور ثابت نہیں کرنے ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ مرزا صاحب خاتم کے یہ معنے کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم مہر ہیں۔

اور آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں کتاب حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۰ حاشیہ ۔ مرزا غلام احمد لکھتے ہیں۔ کیونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں جب اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلعم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہر حال محمد صلعم ہی نبی رہا نہ کوئی اور بسبب رشتہ مصاحبت ... سے مطلب یہ کہ میں بن گیا ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ... مجھ میں تصویر آ گئی ہے رسول کریم صلعم کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ یہ مسخرہ پن خدا اور خدا کے رسول صلعم کے ساتھ ہے

اب بتلاتا ہوں توہینات کثیرہ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کے بارہ میں قادیانی مرتد کے بیانات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کے حسب ذیل تحریروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں۔

یسوع مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اس کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ بس ان نادان اسرائیلیوں نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی نام کیوں رکھا۔ آگے حاشیہ صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ اسی صفحہ پر آگے لکھتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے آگے بڑ

Scanned with CamScanner

کہ یہ بھی یاد رہے۔ کہ آپ کو کسیقدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی" ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ کے حاشیہ پر ہے۔ "کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور تین نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آگے لکھتے ہیں کہ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا۔ کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے۔ آگے ہے کہ سمجھنے والے سمجھ لیں۔ کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے" یہ گالیاں یسوع کا نام لیکر ضمیمہ انجام آتھم میں درج کیگئی ہیں۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور مسیح ایک تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب توضیح المرام صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں"۔ اسیطرح اپنی کتاب حاشیہ کشتی نوح صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں۔ "کہ یورپ کے لوگوں کو جسقدر شراب سے نقصان پہنچا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے۔" اے مسلمانو تمہارے نبی صلعم تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔

حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر ہے۔ "جن جن پیشگوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت توراۃ میں پایا جانا آپ نے بیان فرمایا۔ ان کتابوں میں ان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔"

حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں "اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے۔ اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے۔ کہ گویا میری تعلیم ہے" آگے ہے۔ "کہ آپ کے حقیقی بھائی آپ کی ان حرکات سے آپ سے سخت ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین تھا۔ کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے"

کتاب ست بچن صفحہ ۱۷۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ کہ "یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے۔ کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا"۔ ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۶ پر ہے کہ "عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے۔ کہ آپ سے کوئی

معجزہ نہیں ہوا۔ اس کتاب کے صفحہ ۶ پر ہے کہ آپ نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کور وغیرہ کو اچھا کیا ہو۔ یا کسی ایسی بیماریوں کا علاج کیا ہو۔ مگر آپ کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہوسکتا ہے۔ کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اسی تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو۔ تو وہ معجزہ آپ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔ اور آپ کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہ تھا۔ اسی کتاب ضمیمہ انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۸ پر آگے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی۔ کہ یسوع کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا کہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا۔ اور آنے والے نبی کے مقدس وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلے مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔"

اور کتاب ست بچن صفحہ ۱۶۸/۱۶۷ پر لکھتے ہیں۔ اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے ہی برے کام کئے۔ ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا۔ اور دلالہ عورتوں کو بھیجکر اس کی جورو کو منگوایا۔ اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱۳ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشگوئیوں کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۲۵ کے حاشیہ پر درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کیساتھ بائیس سال نجاری کا کام کرتے رہے۔ کشتی نوح صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ

اعتراض کرنے میں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہو چکے عہد کو کیوں توڑ گیا۔ اور تعدد ازدواج کی کیوں بنا ڈالی گئی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض

ازالہ اوہام جلد اوّل صفحہ ۳ پر مرزا صاحب مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے۔ کہ جسقدر حضرت مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اسقدر صحیح نکل نہیں سکیں"

دافع البلاء صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھکر ہے۔ اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ جبکہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو ان کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کہ کہا جائے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو"

مولوی انور شاہ صاحب نے لفظ یسوع کی اصل یہ بتائی ہے کہ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے اور عبرانی میں ایشوع بمعنے نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا۔ اور زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن سے شروع نہیں ہوئی بلکہ نزول قرآن سے پہلے عرب کے شعراء نے عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے

ازالہ الاوہام صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل الترب یعنے مسمریزمی طریق سے بطور لہو ولعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ عمل الترب میں جسکو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو اللہ تعالےٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا۔ کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔

اس عبارت سے یہ نتائج نکالے گئے ہیں ۱۔ مرزا صاحب یہ بخوبی جانتے تھے۔ یسوع مسیح یک ہی شخص ہے۔ جیسا کہ ان کی اپنی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یسوع کے نام سے جو کچھ کہا ہے اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض فقرات عیسائی پادریوں کے جوابات میں الزامی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان فقرات میں اس قسم کے الفاظ کہ حق بات یہ ہے وغیرہ وغیرہ، الزامی جوابات نہیں ہو سکتے بلکہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق کا نتیجہ شمار ہونگے۔ نیز دافع البلاء کے حوالے سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک بھی عیسیٰ علیہ السلام کو "حصور" کہنے کیلئے مذکورہ بالا قصے مانع تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کے نزدیک بھی جو عالم الغیب ہے۔ یہ بات محقق تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ عیوب موجود ہیں۔ اس لئے اس کا نام "حصور" نہ رکھا۔ اور جو گالیاں مرزا صاحب نے پہلے "انجام آتھم" میں عیسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں وہی یہاں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکبازی اور راست گوئی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اور قرآن نے ان کی شان میں کہا ہے کہ وَجِیۡهًا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین رسولوں کو دنیا میں صرف اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی اطاعت کریں۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کے معجزات کو مسمریزم کہا ہے۔ حالانکہ مسمریزم اقسام سحر اور توجہ نفسانی کا ایک شعبہ ہے۔ کہ جس کا کسی پاکباز یا نیک آدمی کے ساتھ اختصاص نہیں کیا جا سکتا۔ ہر بداخلاق بلکہ کافر تک اس کا عمل کر سکتا ہے۔ اور پھر ایسے معجزات کو جس کو قرآن کریم نے نہایت شان اور عظمت سے ذکر فرمایا ہے۔ عمل ترب یا مسمریزم کہنا نہایت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ثابت کئے گئے ہیں ان کو آج تک

تمام علمائے امت اور عامۂ مسلمین قبول کرتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کو مسمریزم وغیرہ کیطرف منسوب کر کے خواہ مخواہ ایک رخنہ اندازی فرمائی۔ ان کا عیسیٰ علیہ السلام کی اسطرح توہین کرنی ایک وجہ کفر ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے بھی اپنی کتاب ضمیمہ چشمہ معرفت "صفحہ ۱۸ پر بعبارات بالفاظ ذیل "شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال گذرے ...... تا موجب نزول غضب الٰہی درج کی ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔ اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور کسی نبی کا اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الٰہی"

اس کی تائید میں منجانب گواہان مدعیہ چند سندات۔ قرآن احادیث اور اقوال بزرگان پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل درج کرنیکی ضرورت نہیں۔ صرف مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ سب و ناسزا کہنا پیغمبروں کو ملعون کہنا۔ سرچشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے۔ جملہ گمراہیوں کا۔ اور ہر کفر اس کی شاخ ہے اور کسی نبی کی ادنے توہین کرنا بھی کفر ہے۔ اور کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے برا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی مسلمان ہو یہ شخص یا کافر۔ سزا اس کی قتل ہے اور علماء نے کہا ہے۔ کہ تعریض کرنا خدا کی سب کا یا رسول کی سب کا ارتداد ہے۔ اور موجب قتل ہے آگے بیان کرتے ہیں کہ علماء نے جب توراۃ و انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے اُن سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ مرزا صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے علماء کے طریق میں اور مرزا صاحب کے طریق میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔

مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام سے بھی افضل کہا ہے۔ اور کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۲۰ پر مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے" اور یہ کہ [illegible]

بلکہ ذاتی ہیں۔ کتاب ازالۃ الاوہام جلد اول صفحہ ۵ سے مرزا صاحب کا یک مادہ شعر نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے۔ "اینک منم کہ حسب بشارات آمدم۔ عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بمنبرم"

مولوی انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قرآن شریف نے یہود و نصاریٰ کے عقائد کی غلطی کی ہے۔ اور ایک حرف موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کا اشارۃً یا کنایۃً نہیں فرمایا۔

اب اس مضمون توہین انبیاء کے دوسرے ہیڈنگ پر گواہان مدعیہ کے پیش کردہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

توہین انبیاء کے تحت گواہان مدعیہ نے یہ دکھایا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی توہین کی ہے۔ بحوالہ کتاب حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۲۲ مرزا صاحب کے اس قول کہ میں بروزی طور پر ہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آنے کے یہی معنے ہو سکتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب اور محمد صلعم ایک ہوں۔ جو عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تناسخ عود کر کے مرزا صاحب ہوئے۔ تو تناسخ کفر۔ اور اگر یہ معنے ہیں۔ کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے۔ تو یہ ایسی باطل بات ہے۔ کہ دنیا جانتی ہے۔ کسی شخص کا سایہ ذی سایہ نہیں ہو سکتا۔ تو اب مرزا صاحب کا نبی ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا نہیں ہے۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے۔ کہ سایہ و ذی سایہ ایک ہوتا ہے۔ تو رسول اللہ صلعم ظل اللہ ہیں۔ اور اس طرح وہ نعوذ باللہ عین خدا ہیں اور مرزا صاحب عین محمد صلعم ہیں تو اس سے صاف یہ نتیجہ ہے۔ کہ مرزا صاحب عین خدا ہوئے اگر ظل ہونے کے یہ معنے ہیں۔ کہ ذی ظل کی کل صفت اس میں آجائے تو ایسی ظلیت تمام دنیا کو حاصل ہے۔ بہر حال مرزا صاحب کا دعوے اتحاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھا۔ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین ہے۔

مرزا صاحب کے اس قول سے کہ تمام کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں .... نبی کریم کے ظل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بروزی اور ظلی نبوت کوئی کم: گھٹیا درجہ کی نبوت نہیں۔ کیونکہ ظل اور بروز کے لفظ سے یہ دھوکا پڑ سکتا تھا۔ کہ مرزا صاحب کی مراد یہ ہوگی۔ کہ آئینہ میں جیسے کسی شخص کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب میں نبی کی ذات تو نہیں اور نبوت کا عکس پڑا ہے۔ مگر مرزا صاحب نبی نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ کسی شخص کا عکس جو آئینہ میں ہے۔ اس ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کی اس عبارت نے اس شبہ کو ایسا صاف دور کر دیا ہے۔ کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ مرزا صاحب کا لفظ ظل عکس اور بروز کہا ہے۔ مگر مراد ہے۔ حقیقت کاملہ نبوت۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جتنے انبیاء گذرے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک صفت میں ظل تھے۔ اور باوجود اس ایک صفت میں ظل ہونے کے وہ مستقل نبی صاحب شریعت تھے اور حقیقی نبی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظل ہیں۔ تو ثابت ہو گیا۔ کہ مرزا صاحب تمام نبیوں سے بڑے تھے۔ اور یہ ایک بہت بڑا کفر ہے۔ مرزا صاحب بار بار تحریر کرتے ہیں کہ پہلے نبیوں کی نبوت براہ راست اور میری نبوت فیض محمدی کا اثر ہے۔ ان کا یہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ جب ہر ایک نبوت ان کے نزدیک آپ کا فیض تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب کی نبوت بھی آپ کا فیض ہے۔ لہذا یہ فرق کرنا بھی باطل ہوا۔

مرزا صاحب کے ایک اور قول سے جو تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۲۰۰ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے:۔

غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے۔ کہ مراتب وجود دوریہ ہیں۔ اسی طرح ابراہیم نے اپنی خو طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا۔ اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔" سید انور شاہ صاحب

گواہ مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ

(الف) اس قول سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ سرورِ عالم صلعم کوئی چیز نہیں رہتے۔ اور آپ کا تشریف لانا بعینہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دُور ہیں۔ گویا اصل ابراہیم علیہ السلام رہے۔ اور آئینہ رسول اللہ صلعم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحبِ ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلعم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلعم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں۔ اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

(ب) رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔ اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحبِ ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا صاحب آنحضرت صلعم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلعم۔

(ج) جب رسول اللہ صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت کے مجتمع ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے۔ نہ کہ آنحضرت صلعم میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہے۔

اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہٖ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے۔ اسلام میں جن کا عقیدہ کفر ہے۔ اور یہ ہے حقیقت مرزا صاحب کے نزدیک مجازی اور ظلی اور بروزی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے سلسلہ میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے حسب ذیل مزید واقعات بیان کئے ہیں۔

کسی کے توہین کرنے کے یہ معنے ہیں کہ یا تو اس میں کوئی عیب جسمانی ظاہر کیا جائے۔ یا کسی بداخلاقی کیساتھ اُس کو متہم کیا جائے۔ یا کسی کے لقب کو جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اُسے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا اپنے لئے دعوے کیا جائے۔ یا کوئی ایسی چیز اُس کے سامنے یا اس کی شان میں کہی جائے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو چنانچہ چند آیات قرآنی

جن میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ نے نبی پاک محمد صلعم کو چند مراتب اور مقامات علیہ سے مشرف فرمایا ہے۔ مگر کوئی شخص اپنے اوپر چسپاں کرے تو لامحالہ رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ آیات ذیل۔

آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ .... الخ

جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے شانِ معراج کا ذکر فرمایا گیا

دوسری آیت ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی .... الخ

جس میں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو قرب اپنی جناب رب العزۃ سے حاصل ہوا تھا۔ یا نزول وحی جبرائیل علیہ السلام سے ہوا ذکر ہوا ہے۔

و آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا .... الخ

و آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ .... الخ

و آیت اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ .... الخ

مرزا صاحب نے اپنے اوپر نازل ہونی بیان کی ہیں۔ اور مقام محمود کو بھی اپنے حق میں تجویز کیا ہے۔ اور ان اشعار میں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ کسی نبی کی استثنا نہیں کیگئی۔ ہمارے نبی کریم بھی انبیاء کی جماعت میں داخل ہیں۔ لفظ انبیاء کسی خاص نبی کیساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام پر حاوی اور مشتمل ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں اپنی افضلیت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حقیقت الوحی صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں۔ آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلعم کی توہین ہے۔

مرزا صاحب کتاب تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ مثلاً کوئی شریر النفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے۔ جو ہمارے نبی صلعم سے ظہور میں آئے۔ اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں۔ جو اول درجہ پر خارق عادت ہیں۔ ان عبارات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے معجزات کو تین ہزار قرار دیا اور اپنے معجزات

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] قسم [illegible] ہوتی ہے

[illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے [illegible] خلیفہ [illegible] میں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

[illegible] کا [illegible] ہے۔ [illegible] الفاظ کے استعمال [illegible] طرز خطاب سے

[illegible] ہے جس سے صاف [illegible] کی خباثت دکھائی گئی ہے۔

[illegible] ایک عورت [illegible] گیا ہے۔ کہ اس میں [illegible]

[illegible] گئی ہے [illegible] ہیں کہ یہ [illegible] قرآن میں لکھو

[illegible] بالکل خلاف واقع جھوٹ ہے قرآن [illegible]

میں [illegible] قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

[illegible] صاحب [illegible] حسب ذیل ہیں۔

آنکه دوست [illegible] جام داد آں جام را مرا [illegible]

[illegible] گرچه [illegible] من [illegible] نکرم [illegible]

کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین   ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

اور جو مضمون ان اشعار میں ادا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہاں فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے۔ اور جو پیغمبر افضل ہو۔ وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے۔ اور نبی کریم صلعم نے اپنی امت کو یہ پہنچایا ہے مگر اس حیثیت سے کہ ایک تحقیر ہو کہ اس سے فرق منظور نہیں۔ اور ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو۔ کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو۔ کفر صریح ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر میں مدعیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۳۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ تواتر کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اور تواتر اگر غیر قوموں کا ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائیگا"۔

پھر اس کے ساتھ اگلے صفحہ پر جو کچھ لکھتے ہیں اس سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کی پیشگوئی ایسی متواتر پیشگوئیوں سے ہے۔ جو خیر القرون میں تمام ممالک اسلام میں پائی گئی تھی اور مسلمات میں سے سمجھی گئی۔ اور یہ اول درجہ کی پیشگوئی ہے۔ جسکو سب نے قبول کر لیا تھا۔ اور جسقدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں۔ کوئی اس کے ہم پہلو نہیں انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ مگر اس کے بعد جب مرزا صاحب کو اس پیشگوئی کا انکار مطلوب ہوا۔ تو انہوں نے یہ کہا۔ کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ یہ نہیں ہے۔ مگر شرک عظیم۔ یہ عقیدہ حیات کا مسلمانوں میں نصرانیوں سے آیا ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نصاریٰ نے بہت مال خرچ کر کے مسلمانوں میں شائع کیا۔ شہروں میں اور گاؤں میں اس وجہ سے کہ ان میں کوئی شخص عقلمند نہ تھا۔ اور پہلے مسلمانوں سے یہ قول نہیں صادر ہوا۔ مگر لغزش کے طور پر وہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ لوگ گنہگار تھے۔ مگر قصداً نہ تھے۔ اور خطا کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ سادہ لوح آدمی تھے۔ اگر کوئی مجتہد خطا کرے تو اللہ اس کی غلطی کو معاف بھی کرتا ہے۔ ہاں جن کے پاس امام آیا۔ علم بینات کیساتھ اور جس نے رستہ کو گمراہی سے ظاہر کر دیا۔ اور پھر بھی انہوں نے اعراض کیا۔ وہ لوگ خود

ہوں گے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب حیات عیسیٰ علیہ السلام کو شرک نہیں۔ بلکہ شرک عظیم فرماتے ہیں۔ اور وعدہ الٰہی کے مطابق بمنشاء آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ ...... الخ شرک کا معاف ہونا قطعاً محال ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول کی بناء پر ساری اُمت گمراہ تھی۔ اور ساری اُمت مشرک و کافر تھی۔ اور جو شخص تمام اُمت کو گمراہ اور کافر کہے۔ وہ خود کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے اس قول سے اسلام پر اتنا بڑا حملہ ہوا ہے۔ کہ اسلام کی ایک ذرہ بھر وقعت نہیں رہ سکتی۔ جبکہ یہ ثابت بھی ہوگیا۔ کہ یہ عقیدہ بطریق تواتر تمام ممالک اسلام میں پھیل گیا تھا۔ اور سب نے قبول بھی کر لیا اور کسی چھوٹے بڑے کو اس کی برائی کی اطلاع نہ ہوئی۔ اگر مرزا صاحب تشریف نہ لاتے۔ تو جیسے پہلی ساری اُمت معاذ اللہ شرک عظیم میں مبتلا تھی۔ آگے بھی اسیطرح شرک عظیم میں مبتلا رہتی اور ممکن ہے کہ آئندہ کوئی اور شخص مجدد یا رسول اللہ صلعم کا بروز بن کر ۲۰-۲۵ اور شرک ثابت کر دے تو جب قرآن اور حدیث اور مسلمانوں کا ایسا مذہب ہے۔ کہ شرک عظیم کا اس میں تیرہ سو برس تک پتہ نہ لگا۔ تو پھر اس مذہب کا کیا اعتبار رہیگا۔

چنانچہ مرزا صاحب ایک اور استفتار ضمیمہ حقیقت الوحی صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص بالقصد اس کا خلاف کرے اور یہ کہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہے۔ پس ان لوگوں میں سے ہے۔ کہ جو قرآن کے کافر ہیں۔ ہاں جو لوگ مجھ سے پہلے گذر گئے وہ اپنے اللہ کے نزدیک معذور ہیں"

دوسری کتاب دافع البلاء میں صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم نے سُنا ہے۔ کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کیطرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں تاکہ کسیطرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں۔ اور دوبارہ اُتار کر خاتم الانبیاء بنادیں۔ بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔

الفضل جلد ۳ نمبر ۳ مورخہ ۲۹- جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۷ پر درج ہے "پس ان معنوں میں مسیح موعود جو آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ اس کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت کی بعثت ثانی اور آپ کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا ہے۔ جو منکر کو دائرہ اسلام

سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔

اس ضمن میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک وجہ کفر یہ بیان کی ہے۔ کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانانِ عالم کو جو اُن کی جماعت میں داخل نہیں خواہ وہ ان کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔ اور بقول خلیفہ ثانی ان کو دعوت پہنچے۔ یا نہ۔ خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ جو شخص تمام امت محمدیہ کو اسلام سے خارج کہتا ہے۔ وہ کسطرح خود کفر کی زد سے بچ سکیگا۔

ان وجوہ تکفیر کے علاوہ مرزا صاحب کے حسب ذیل اعتقادات بھی عامۃ المسلمین کے اعتقادات کے خلاف بیان کئے گئے ہیں:-

مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے معنے جو مسلمان اب تک سمجھتے تھے۔ اس معنے پر قیامت نہیں ہوگی۔ قرآن میں جو نفخ صور آیا ہے نہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی کوئی نفخ صور ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد مرزا صاحب کا تشریف لانا ہے قیامت کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں ہیں اور جتنی احادیث میں ہیں ان تمام امور کا انکار ہے صرف لفظوں کا انکار نہیں مگر جن معنوں سے قرآن اور حدیث قیامت کو بیان کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا انکار ہے مُردوں کا قبروں سے اُٹھنا جو بہت سی آیات میں مذکور ہے اُس کا بھی انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ گواہ مدعیہ نے مرزا صاحب کے چند دیگر اقوال بھی خلاف شریعت بیان کئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:-

مثلاً مرزا صاحب اپنی کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۵۶۴/۵۶۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ کا عین دیکھا۔ اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں۔ اور خدائی اور الوہیت میرے رگ و ریشہ میں گھس گئی۔ اور میں نے اس حالت میں دیکھا۔ کہ ہم نیا نظام بنانا چاہیئے ہیں۔ نئی زمین نیا آسمان پس پہلے میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی تفریق و ترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے اُن کو مرتب کیا۔ اور میں اپنے دل سے جانتا تھا۔ کہ میں ان کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ پھر میں نے سب سے قریبی آسمان کو پیدا کیا۔ پھر

Scanned with CamScanner

میں نے کہا۔ کہ انا زینا السماء الدنیا بمصابیح ...... الخ پھر میں نے کہا۔ کہ ہم انسان کو کیچڑ میں سے پیدا کریں گے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے ربوبیت کا دعوے کیا۔ اور اپنے آپ کو خالق جانا۔ اور کوئی شخص جب خدائی دعوے کرے۔ اور اپنے آپ کو خالق جانے تو وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔ حقیقت الوحی صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھے فرمایا۔ کہ تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے اسی کتاب حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا۔ کبھی خطا کروں گا۔ کبھی ثواب کو پہنچوں گا۔ اس سے خدا کو غلطی کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے زمین و آسمان ہمارے ساتھ اسیطرح تمہارے ساتھ بھی ہے۔ اس سے مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کیطرح اپنے آپ کو حاضر ناظر جانا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تو جس چیز کو بنانا چاہے۔ بس کُن کہدے وہ ہو جائیگی۔

البشریٰ جلد دوم صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ جاگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں جسطرح میں ازلی ہوں۔ اسیطرح تیرے لئے بھی میں نے ازلیت کے انوار کردئیے ہیں۔ اور تو بھی ازلی ہے"

توضیح المرام کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ قیوم عالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے۔ کہ جس کے بےشمار ہاتھ اور بےشمار پیر ہیں اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے۔ کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کیطرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔ جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب خداوند تعالیٰ کو تیندوے کیساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ کتاب ضمیمہ تریاق صفحہ ۳۹ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ جبتک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو۔ اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ جبتک کوئی مسیح۔ اور یعقوب اور

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کیطرح نئے معجزات نہ دکھلائے جائیں۔ نئی زندگی ایسی کرلیتی ہے جس کا گُڈا نیا ہو"

اس سے مرزا صاحب نے خدا کو حادث بتلایا اور یہ عقائد وہ ہیں۔ جو مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے متعلق رکھے ہیں۔ اور ان سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف کے متعلق مرزا صاحب کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ ان دلائل کے علاوہ مدعیہ کیطرف سے چند نظائر بمثل مسیلمہ کذاب وغیرہ کے بھی پیش کیگئی ہیں۔ کہ انہوں نے دعوے نبوت کیا تھا۔ اور اس بنا پر انہیں قتل کیا گیا۔ ان کی زیادہ تفصیل درج کرنیکی ضرورت نہیں۔

اس تمام بحث سے جو اوپر بیان ہوئی۔ حسب ذیل نتائج برآمد کئے گئے ہیں۔

۱۔ مرزا صاحب نے دعوے نبوت شرعیہ تشریعیہ کیا۔ جو باتفاق امت اور باتفاق مرزا صاحب کفر ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے کلام میں شریعت کی تشریح بھی کردی ہے۔

۲۔ مرزا صاحب نے قرار فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد مطلق نبوت منقطع ہے۔ اور جو دعوے نبوت کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے دعوے نبوت کیا اس لئے کافر ہوئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی جدید یا قدیم نہیں آسکتا۔ اور اس کو قرآن کا انکار کرنا بتلایا ہے۔ لیکن پھر خود دعوے نبوت کیا۔

۴۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپکا خاتم الانبیا ہونا۔ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی سے ثابت ہے۔ اور پھر اس کے بعد یہ کہا۔ کہ جو ایسا کہے۔ کہ آپ کے بعد نبوت نہیں آسکتی۔ وہ خود کافر ہے۔ اس لئے بھی مرزا صاحب کافر ہوئے۔

۵۔ مرزا صاحب نے جو اجرائے نبوت کو رسول اللہ صلعم کے بعد کفر قرار دیا ہے۔ اب مرزا صاحب اس نبوت کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایمان قرار دیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھکر کفر ہے۔

(۶) مرزا صاحب دروازہ نبوت کو کھول کر اپنے ہی تک محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت تک کھلا رہیگا۔ اِس وجہ سے بھی کافر ہوئے۔

۷۔ مرزا صاحب یہ نہیں کہتے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آئیگا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ممکن ہے کہ ہزار بار محمد رسول اللہ صلعم ہی خود بروز فرمائیں۔ گویا رسول اللہ صلعم جیسے ہزاروں لوگ یا ہزاروں نبی اب واقع ہو سکتے ہیں۔ امکان ذاتی نہیں۔ بلکہ امکان وقوعی ہے۔ پھر مرزا صاحب نے یہ کہا۔ کہ سرورِ عالم کی ایک بعثت پہلے تھی۔ ایک بعثت ثانیہ ہوئی۔ اِس کا حاصل تناسخ ہے۔ جو تناسخ کا قائل ہے۔ وہ کافر ہے۔

۸۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں عین محمد ہوں۔ اِس میں سرورِ عالم کی توہین ہے۔ اگر واقعی عین ہیں تو کھلا ہوا کفر۔ اگر عین محمد نہیں ہیں۔ تو ان کے بعد دوسرے نبی ہوئے اور ختم النبوت کی مہر ٹوٹ گئی۔ یہ اور وجہ کفر کی ہوئی۔

۹۔ مرزا صاحب نے دعوے وحی کیا۔ اور ساتھ ہی دعوے وحی نبوت کیا جو کفر ہے۔

۱۰۔ مرزا صاحب نے اس وحی کو قرآن۔ توریت انجیل کے برابر کہا۔ اِس بنا پر قرآن آخر الکتب باقی نہیں رہتا۔ یہ بھی وجہ کفر ہے۔

۱۱۔ مرزا صاحب نے اپنے اقرار سے اور تمام علمائے اُس کی تصریح کی کہ جو شخص کسی نبی کو گالی دے۔ یا توہین کرے۔ وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی وجوہ سے توہین کی۔ ہر توہین موجب کفر ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے آدم علیہ السلام کی سرورِ عالم کی توہین کی۔ اِس لئے بھی کافر ہوئے۔

۱۲۔ مرزا صاحب نے احکام شریعت کو بدلا ہے لہٰذا اس وجہ سے بھی مرزا صاحب پر کفر لازم آتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ کسی احمدی عورت کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں نیز یہ کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ نیز فرمایا کہ پس یاد رکھو کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے۔ کہ کسی مکفر مکذب یا متردد کے پیچھے نماز

پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ حاشیہ تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ ۱۰ (۱۲) مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جو مجھے نہ مانے وہ کافر ہے۔

۱۳۔ مرزا صاحب نے نفخ صور کا انکار کیا۔ مردوں کے قبروں سے اُٹھنے سے انکار سے جس طریق سے قیامت کی خبر قرآن اور حدیث میں آئی۔ اُن سے بالکل انکار ہے۔ صرف ظاہری الفاظ ہی رکھے۔ مگر معنے اُلٹ بیان کئے۔ یہ وجوہ بھی مرزا صاحب کی تکفیر کے ہیں۔ لہذا ان وجوہ پر کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی احمدی مرد و عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہو گیا تو اور نکاح کے بعد کوئی اس مذہب میں داخل ہو جائے۔ تو نکاح فوراً فسخ ہو جائیگا۔

اور اپنے اس ادعا کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتاوے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جو مثل کیساتھ شامل ہیں۔ اور سید انور شاہ صاحب گواہ نے مصر اور شام کے دو مطبوعہ فتووں کا حوالہ بھی اپنے بیان میں دیا ہے۔

تحریری فتوے جو مثل پر لائے گئے ہیں۔ حسب ذیل مقامات کے علماء کے ہیں۔ مکہ معظمہ۔ ریاست رام پور۔ دارالافتاء ریاست بھوپال۔ تاپون۔ دیوبند۔ بریلی۔ ڈابھیل۔ دہلی۔ سہارن پور۔ تھانہ بھون۔ ملتان۔ علماء کی فہرست میں شیخ عبداللہ صاحب رئیس القضاۃ مکہ معظمہ۔ مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند اور مولوی اشرف علی صاحب کے اسماء بھی ہیں۔

فریق ثانی کیطرف سے ان دلائل کا جو مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق مدعیہ کیطرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ تین طریق پر جواب دیا گیا ہے۔

اوّل یہ کہ مرزا صاحب کی جن عبارات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اُن سے ان کے عقائد کفریہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان عبارات کے ماسبق اور مابعد کی عبارات کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ اور نہ ہی سیاق سباق عبارت کو زیر غور لایا گیا ہے۔ اگر ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ان

عبارات پر غور کیا جاوے۔ تو ان سے وہ نتائج اخذ نہیں ہوتے۔ جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے خود دیگر مقامات پر ان عبارات کی تشریح کر دی ہے۔ اسلئے ان عبارات سے وہی مفہوم لیا جائیگا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا۔ اور کہ دیگر مقامات پر ایسی عبارات بھی موجود ہیں۔ کہ جن کو مدنظر رکھتے ہوئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان عبارات زیر اعتراض سے مرزا صاحب کا وہی مدعا تھا۔ جو گواہان مدعیہ نے اخذ کیا۔

تیسرا یہ کہ مرزا صاحب کے اقوال زیر بحث میں سے بعض اقوال ایسے ہیں۔ جو دیگر بزرگان دین سے بھی سرزد ہوئے۔ لیکن فریق مدعیہ کے نزدیک وہ بزرگان مسلمان تھے۔ اسلئے ان اقوال کی بناء پر مرزا صاحب کے خلاف کیونکر فتوے تکفیر لگایا جا سکتا ہے۔ یہ تمام امور تشریح طلب ہیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی تفصیل بیان کیجاوے گی اور وہاں ان کا پورا جواب بھی دیا جائیگا۔ یہاں ان کے متعلق مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ عبارات زیر بحث میں سے بعض ایسی ہیں۔ کہ جو اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسا ابہام نہیں ہے۔ کہ جو کسی تشریح یا توجیہہ کا محتاج ہو۔ اس لئے ایسی عبارات کے نہ ماسبق اور مابعد دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ سیاق و سباق معلوم کرنیکی۔ لہذا ان فقرات کی اپنی ترتیب سے ہی جو مفہوم اخذ ہوگا وہی مراد لیا جائیگا۔

امر دوم کے متعلق اول تو مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال میں تعارض ہے اور اس تعارض کو کسی صاف تشریح یا وضاحت سے رفع نہیں کیا گیا۔ دوسرا جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ بعض عبارات فی نفسہٖ ایسے مستقل جملے ہیں۔ کہ جو اپنے مفہوم کی خود وضاحت کر رہے ہیں۔ اسلئے تاوقتیکہ یہ نہ دکھلایا جاوے۔ کہ یہ کلمات واپس لئے گئے۔ دیگر کلمات نہ ان کے قائم مقام تصور ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ان کی تشریح بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ ان اقوال کو ان اقوال کے تابع سمجھا جاوے۔ جو مرزا صاحب نے

...ی جگہ بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ اقوال زیر بحث کو مسترد نہیں کرتے۔ بلکہ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ ۲ اور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ روش مرزا صاحب نے خود اختیار کی تا کہ وجہ گریز رہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور عذر باقی رہے۔

امر سوم کے متعلق اول تو ان بزرگوں کے اقوال بعینہٖ ان الفاظ میں نہیں۔ جو مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ دوسرا مقدمہ ہذا میں ان بزرگوں کے مسلمان یا نامسلمان ہونیکا سوال زیر بحث نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے دیگر حالات پیش نظر ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے مقابلہ میں ان کے الفاظ پیش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے۔

علاوہ ازیں سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ صوفیا کے ہاں ایک باب ہے۔ جس کو شطحیات کہتے ہیں۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں۔ اور ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے۔ اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے۔ کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو۔ اور تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ کہ جس پر یہ احوال نہ گزرے ہوں۔ وہ ہماری کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ مثلاً ہم بھی یہ سمجھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے الجھ جائیگا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی کے صوفیا میں سے بھی کوئی قائل نہیں۔ اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے مرزا صاحب کی کتابوں سے ان کے چند عقائد بیان کئے جا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے جن باتوں کو ایک شخص کے مومن اور مسلمان ہونے کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ وہ سب مرزا صاحب میں اور ان کی جماعت میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ ان سب پر خلوص دل اور صمیم قلب سے یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جن اعمال صالحہ کے بجالانیکا حکم دیا گیا ہے۔ وہ سب بجالاتے ہیں۔ اور

ان کا دین وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم خدا کی طرف سے لائے۔ اور وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ دین اسلام کے سوا اگر کوئی شخص کوئی اور دین اختیار کرے۔ تو وہ عند اللہ ہرگز مقبول نہیں۔ مگر ان علماء نے انہیں کافر مرتد۔ ضال اور خارج از اسلام قرار دیا ہے اور ضروریات دین کا منکر ٹھیرایا ہے۔ لیکن جن امور کی بنا پر انہوں نے کافر اور مرتد کہا ہے ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے فتوے تکفیر کی بنا بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے۔ اور اس ضمن میں ان علماء کی طرز افتاء پر اعتراض کرتے ہوئے چند کتب فقہ کے حوالوں سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اگر ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ مد نظر رکھا جاوے۔ تو اس سے بڑے بڑے بزرگ اور تمام مجتہد اور وہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو یہ کہتے سنے جاتے ہیں۔ کہ اگر جنت میں ان موجودہ مولویوں نے بھی جانا ہے۔ تو ہمیں ایسی جنت نہیں چاہیئے۔ اور وہ تمام مسلمان جو سرکاری دفتروں میں ملازم ہیں اور اپنے ہندو یا عیسائی افسروں کو تحائف دیتے ہیں کافر ہیں۔ اور ان عورتوں کے لئے جو اپنی خاوندوں کی بدسلوکی سے تنگ ہیں اور ان کے عقد نکاح سے نکلنا چاہتی ہیں۔ یہ اچھی ترکیب بتلائی گئی ہے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی عورت یہ کہدے کہ میں کافر ہو گئی ہوں تو فوراً کافر ہو جائے گی۔ اور اس کا نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اور وہ تمام مسلمان جو انگریزی ٹوپی یا ہیٹ لگاتے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور اسی طرح وہ مسلمان بھی جو ہندو دیگر غیر قوموں کو سلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سکول اور کالجوں کے وہ مسلمان طلباء جو ہندو یا عیسائی استادوں کو تعظیماً سلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہزارہا وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو مولویوں کی دنیاوی باتوں پر جنہیں یہ لوگ۔ علم اور دین خیال کرتے ہیں۔ ہنستے ہیں کافر ہیں۔ اور اسی طرح وہ مسلمان جو کسی غیر مسلم کو اس کے سوال کرنے پر کہ مجھے اسلام کی صداقت بتا۔ کسی مولوی کے پاس برائے جواب بھجاتے ہیں کافر ہیں وغیرہ وغیرہ

پس اگر ان علماء اور مولویوں کے کہنے پر کسی کو کافر بنایا جا سکتا ہے تو [illegible] کے

تحت تمام ایسے مسلمان جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور ان کا نکاح فسخ ہونا چاہیئے لیکن، سوال مذکورہ بالا پر علماء کا موجودہ زمانہ میں عمل نہیں ہے۔ اور ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور ان کے منکر کو کافر اور مرتد کہا گیا ہے اس کے جواب یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ گو ان مدعیہ نے اپنے بیانات کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من وعن تسلیم کر لیا جاوے۔ اور جو کچھ وہ اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق لکھ گئے۔ اُسے حرف بحرف مان لیا جاوے۔ اس لئے ہمیں حسب تعلیم قرآن مجید ضروری ہوا کہ ہم خود بھی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر کریں۔ اور تحقیق کے بعد جو اقرب الی الصواب ہو۔ اس کو اختیار کریں۔ پس مفسرین کے اقوال پر عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ پس یہ ضروری نہیں۔ کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ان کے فتوؤں اور اقوال کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اُسے اختیار کریں۔ اور مخالف کو چھوڑ دیں۔ زاست کے اُن علماء کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی نیک نیتی سے جو باتیں موافق اور مخالف پائیں۔ نیز جو وہ سمجھ سکے وہ ہم تک پہنچا دیں۔ جس کے لئے وہ تمام ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کے آگے پھر وجوہات تکفیر کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب چونکہ مادرزاد کافر نہ تھے۔ اور ابتداءً ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی۔ اس لئے انہی کے وہ پابند تھے۔ اور بعد کو پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے

دوسرا یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹے دعووں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ اور عام و خاص عوام کی زبانوں پر جاری ہیں لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا۔ اسلئے مرزا صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کیساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جبتک اس کی تصریح نہ ہو۔ کہ ان عقائد کی مراد بھی وہی ہے۔ جو جمہور اُمت نے سمجھی۔ اور پھر اس کی تصریح نہ ہو۔ کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے اُن سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جبتک توبہ کی تصریح نہ ہو۔ چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھکر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اُس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعوے کرے لیکن اس کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے جن سے اس کے حقائق بدل جائیں۔ اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جاوے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے ان معنے کے لحاظ سے قائل ہیں۔ جس معنے سے کہ صحابہ تابعین۔ اور تمام اُمت محمدیہ قائل ہے۔ اسوقت تک اُن کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔ اسیطرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسیجگہ اقرار کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔

یہ بات ثابت ہو چکی۔ کہ مرزا صاحب اپنی آخیر عمر تک دعوئے نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو۔ تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اسوقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ جبتک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنیکا اعلان نہ پایا جاوے۔ اور یہ اعلان اُن کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں پایا گیا۔

عدالت ہذا کی رائے میں مرزا صاحب کے عقائد کی بابت یہ جواب بہت جامع اور مدلل ہے اور گو کہ مختار مدعیہ نے پنی بحث میں ان کے ہر ایک عقیدہ پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن اس کی موجودگی میں ان عقائد پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختار مدعیہ نے یہ بحث کی ہے۔ کہ مرزا صاحب کا خود کلمہ طیبہ پر بھی پورا ایمان نہ تھا۔ کیونکہ اس کلمہ پر اس صورت میں ہی مکمل ایمان تصور ہو سکتا ہے۔ جبکہ خداوند تعالےٰ کی صفات اور رسول صلعم کی خصوصیات پر پورا ایمان ہو۔ مرزا صاحب کے بعض اقوال سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اندر الوہیت کو موجزن پایا۔ اور اپنے آپ میں خدائی طاقتیں اور صفتیں موجود دیکھیں اور وہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کی خصوصیات اور مدارج میں شریک بتلاتے ہیں۔ اور انہیں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کلمہ طیبہ پر انہیں لوازم کے تحت ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مسلمان۔ اس لئے بھی انہیں مسلمان تصور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن عدالت ہذا کی رائے میں ایسی تفصیلی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کا سوال مقدمہ ہذا میں اصل سوال مابہ النزاع نہیں بلکہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال مدعا علیہ کے ارتداد اور تکفیر کا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کے معتقدات کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی ضرورت ہے۔ جس حد تک کہ مدعا علیہ کے خلاف امر مذکورہ بالا کے تصفیہ کے لئے روشنی پڑ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر یہ دکھلانا پڑے گا کہ مدعا علیہ کا کلمہ طیبہ پر بھی ویسا ہی ایمان ہے جیسا کہ مرزا صاحب کا اور یہ کام مشکلات سے خالی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعا علیہ کی نیت کا اندازہ پورے طور نہیں لگایا جا سکتا۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جن امور کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو ضروریات دین کا منکر قرار دیا جا کر کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید

با احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدعاعلیہ کی طرف سے یا تو مدعیہ کی پیش کردہ شہادت اور بحث کو بغور ذہن نشین نہیں رکھا گیا۔ یا دیدہ دانستہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ گواہان مدعیہ نے بہت تکرار اور شد و مد کیساتھ اور خود مرزا صاحب کے اپنے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین ہونیکا عقیدہ بایں معنے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا نص قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع اُمت سے ضروریات دین سے ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔ اور اسکی تائید میں انہوں نے بہت سی آیات قرآن اور احادیث پیش کی ہیں۔ کہ جن میں سے بعض کی صحت کے متعلق جیسا کہ آگے دکھلایا جائیگا۔ خود مدعاعلیہ کو بھی انکار نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیونکر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ اگر یہ کہا جاتا۔ کہ وہ ثبوت قوی نہیں۔ تو تو کچھ بات بھی تھی۔ لیکن یہ کہنا بالکل خلاف واقع ہے۔ کہ ان کی طرف سے قرآن اور احادیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مدعیہ کیطرف سے بیان کردہ وجوہات تکفیر اوپر درج کیجا چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض کے متعلق (گو کہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ آگے دکھلایا جائیگا) یہ کہا جا سکے۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں مگر مسئلہ ختم نبوۃ کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں۔ ضروریات دین کی اگرچہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض علماء نے اس کے تحت میں اپنی دانست کے مطابق بہت سے ایسے اُمور بھی داخل کردیئے ہوں۔ کہ جو بحث طلب ہوں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل سے ہے۔ ضروریات دین کا مفہوم گواہان مدعیہ نے اپنے بیانات میں ظاہر کردیا ہے۔ جو اوپر گذر چکا۔ اگر اس اصطلاح کے لفظی معنے بھی مراد لئے جاویں۔ تو اُن الفاظ کا یہ مطلب ہوسکتا ہے۔ کہ وہ امور جو کسی دین میں داخل رہنے کے لئے ضروری ہوں۔ اور جن کے نہ ماننے سے وہ شخص اس دین کا پیرو نہ سمجھا جاسکے۔ ضروریات دین سے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ

سلم کا خاتم النبیین ماننا یہی معنے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ مذہب اسلام میں داخل رہنے کیلئے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی مانا جائے۔ تو مذہب اور اس کے گروہ ان کے نزدیک نہ یہ صرف نص قرآن اور احادیث متواترہ کا انکار ہو گا۔ بلکہ معمول بہ اس نئے نبی کی وحی ہو جائے گی۔ نہ کہ قرآن اور اس سے وہ شخص مذہب اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اور یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کو آخری نبی ماننا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک انکے مذہب کے بنیادی مسائل میں سے ہے بلکہ اس کی نظیر دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہے مثلاً یہود اور نصاریٰ۔ جن کے مذاہب کی تفریق محض اس بنا پر ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے پیشواؤں کے بعد اور کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ اب اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ مذہب اسلام کا پیرو نہیں سمجھا جائیگا اس لئے ختم نبوت سے بڑھکر اور کونسا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہو سکتا ہے یہ آگے دکھلایا جائے گا۔ کہ اس بارہ میں جو اسناد پیش کی گئی ہیں وہ کس فریق کی معتبر اور زیادہ وزن دار ہیں۔

یہاں میں یہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی نا آشنا ہیں۔ اس لئے بھی ان کے دل میں یہ سوال گھر نہیں کر سکتا۔ کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے۔ کہ جسپر اسقدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے لہٰذا ضروری ہے۔ کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جاوے۔

مدعیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔ اور نبی اور رسول میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کیلئے یہ لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بحوالہ نبراس صفحہ ۱۹ بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کیلئے بھیجا ہو بخلاف نبی کے کہ عام ہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ رسول کے لئے کتاب کا ہونا شرط ہے۔ اسیطرح رسول کی ایک

تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔ کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔

یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے میں اس جستجو میں رہا۔ کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر سند جید کالج کی کتاب دین و آئین دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی۔ کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری دلائل اور غور کے پیدا ہو۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانکی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آجکل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ آجکل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے۔ جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی روح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے۔ جس کے ہر حکم کا اتباع اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانیکا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ

دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔

اس کا حسن تدبیر۔ عقل، حکمت ذہنی انسان کے ارتقاء کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرت ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں۔ انہیں قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا ہے۔

کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبر ملت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبرین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفہ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیت باریتعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب حکمت ایزدی سے ہوتا ہے۔ اور ان کا سرچشمہ علوم و ہدایت علم باریتعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں۔ ان کا سینہ علم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نور ازلی سے منور ہوتا ہے۔

دنیاوی سیاست و تفکر صنعت ہے۔ جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے۔ اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے۔ جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و امت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھلانے والا اور ان کا مطاع ہوتا ہے

اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہے۔ اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ بھی اسی کی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحد ادراک انسانی سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان کا وجود محض ان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کر لینے سے کیا قباحت لازم آئیگی۔ تصریحات قرآنی کی رو سے نیا نبی مطاع ہو جائیگا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکیگا۔ اس کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دیگا۔ اس کی تعمیل لازمی ہوگی۔ ورنہ اعمال کے حبط ہونیکا اندیشہ ہوگا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کیجا سکے گی۔ بلکہ اس کے سامنے اونچا بولنا بھی گناہ ہوگا۔ اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوگی۔ اور اس سے روگردانی ایمان سے خارج ہونیکا باعث اور موجب عذاب بھی ہوگی۔

اس لئے مدعیہ کیطرف سے بحوالہ آیات قرآنی و احادیث یہ کہا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی مسلمان کسی اور شخص کو نبی مانے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ مدعا علیہ کیطرف سے کتب فقہ سے جن عبارات کا حوالہ دیا جا کر علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ایک تو خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کا بیان ہے۔ کہ فی زمانہ ان پر علماء کا عمل نہیں۔ دوسرے مدعیہ کیطرف سے ان حوالہ جات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات کفر ہیں۔ نہ کہ فتاوے تکفیر۔ کلمہ کفر اور چیز ہے اور فتوے کفر اور چیز۔ کسی شخص پر ان کلمات کی بناء پر بعض ان الفاظ کے استعمال سے ہی فتوے نہیں لگا دیا جائیگا۔ بلکہ فتوے ان اصولوں کے تحت لگایا جائیگا۔ جو اس غرض کے لئے مجوز ہیں۔

عدالت ہذا کی رائے میں مدعیہ کا یہ جواب وزن رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کے اقوال سند کے لحاظ سے وہ حیثیت نہیں رکھتے جو متواترات کی بیان کی گئی ہے۔ کلمات زیر بحث کو ریکارڈ پر لانے اور اپنے خیال کے مطابق ان کی تشریح کرنے سے گواہان مدعاعلیہ کا منشاء سوائے اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مسئلہ زیر بحث کی نوعیت اور اہمیت کو خفیف کرکے دکھلایا جاوے۔ حالانکہ مسئلہ ختم نبوت کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اور غالباً وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ عام لوگوں کے دلوں میں علماء کے متعلق ایک حقارت پیدا کیجاکر ان کے طرز افتاء کی مذمت ظاہر کیجاوے۔ اور ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے جذبات ان کے خلاف اُبھارے جاویں۔ اور موجودہ زمانہ کے روشن خیال طبقہ کی جو اپنے آپ کو مر اصلاح کا علمبردار سمجھتا ہے۔ ہمدردی حاصل کیجاوے۔

مذہب کے متعلق فی زمانہ جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ وہ اُسے اضغاث احلام اور اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ کہ مذہب کا جوا اپنی گردن سے نہیں نکال پھینکنا چاہتے۔ وہ گو ان الفاظ کو اپنے مُنہ سے نکالنے کی تو جرات نہیں کرتے لیکن حقائق و معارف قرآنی پر اپنے دل میں پورا یقین نہیں رکھتے۔ اور بقول مولانا محمد علی صاحب یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں۔ کہ اسلام میں زمانہ کیساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور انقلاب حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اقوام عالم کو اپنی طرز و روش میں تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایسے انقلابوں کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح یا ترمیم نہیں کرسکتے اور کبھی تہذیب جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ان کے اس اعتراض کا جواب تو مولانا صاحب موصوف نے اپنی کتاب دین دان

میں دیدیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ اس قسم کے خیالات آجکل عام ہیں اور چونکہ فریق مدعاعلیہ کے بیان کردہ اصول کے مطابق اس طبقہ کے خیالات کی رُو سے اسلام میں اصلاح کرنیکی کافی وسعت ہے۔ اس لئے مدعاعلیہ کیطرف سے علماء کے خلاف بدظنی پیدا کیجاکر اس طبقہ کے دل میں انکے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کرنیکی سعی کیگئی ہے مدعیہ کوشش کیگئی ہے کہ اس مقدمہ میں مدعیہ کیطرف سے جو علماء پیش ہوئے ہیں انہیں دقیانوسی خیالات کا پیرو اور مرض تکفیر میں مبتلا دکھلایا جاکر انکی بیان کردہ وجوہات تکفیر کو تمسخر میں اڑا دیا جاوے۔ اور یہ دکھلایا جاوے کہ انکی بیان کردہ وجوہات تکفیر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور انہوں نے محض اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کے اصول چونکہ صلاحیت مذہبی کیطرف رجوع دلاتے ہیں۔ اپنی پُرانی عادت سے مجبور ہو کر براہ بغض اور کینہ۔ انہیں کافر کہا ہے۔ ورنہ دراصل ان کا کوئی عقیدہ یا عمل کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ مسئلہ زیر بحث ایسا نہیں کہ اُسے اس طرح مذاق میں اڑا دیا جاوے میں یہ نہیں کہتا۔ کہ علماء غلطی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان کی کسی رائے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاوے۔ اور ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا جاوے۔ بلکہ چاہیے کہ ان کے اقوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جاوے۔ اور یہ دیکھا جاوے۔ کہ وہ کہاں تک راستی پر ہیں مسئلہ ختم نبوۃ کے بارہ میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ صداقت سے خالی نہیں۔

مدعاعلیہ کیطرف سے کتب تفاسیر کے حوالوں پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان حوالوں کو نہ یہاں درج کیا گیا ہے اور نہ ہی اس فیصلہ کا مقصد ان حوالوں پر رکھا گیا ہے۔ اور مسئلہ کے اعتبار سے صرف قرآن مجید اور احادیث کو ہی معیار صحیح قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ عمل اس لئے اختیار کرنا پڑا ہے۔ کہ فریقین کیطرف سے اپنے اپنے مدعا کی تائید میں بیشمار کتابیں جنکی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے پیش کیگئی ہیں۔ مگر مدعاعلیہ نے مدعیہ کی پیش کردہ کتب میں سے کسی کو بھی اپنے اوپر حجت تسلیم نہیں کیا۔

مرزا صاحب اور اُن کے خلفاء کی کتابوں کے اور اُسے اپنے اعتقاد کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب وہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے۔ تو اُس کے لئے معمول بہ مرزا صاحب کی وحی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے اُس کا دوسری کتابوں کو بطور حجت تسلیم نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ باقی قرآن اور احادیث کے متعلق اُس نے یہ رویہ اختیار کئے رکھا ہے۔ کہ آیات قرآنی کا جو مفہوم مدعیہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے اُس کے متعلق اُس نے یا تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ درست نہیں ہے یا اُس کی کوئی اور تاویل کر دی ہے اور احادیث کے بارہ میں بھی جو حدیث اُس کے مفید مطلب تھی وہ تو لے لی۔ اور جو اُس کے خلاف تھی۔ اُس کی صحت کے متعلق یا تو اُس نے انکار کر دیا ہے۔ یا اُس کی بھی کوئی تاویل کر دی ہے۔ اور اُس کا یہ عمل بھی مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جو حدیث میری وحی کے معارض ہے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ مدعاعلیہ نے جن دیگر مصنفین کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں ان کے متعلق بھی اُس کا یہ ادعا ہے۔ کہ وہ چونکہ مدعیہ کے ہم مذہب اشخاص کی تصنیف شدہ ہیں اس لئے اُس نے انہیں مدعیہ کے خلاف بھی بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس کے لئے وہ کوئی حجت نہیں۔ اس لئے ان حوالوں پر بحث کرنی نہ صرف غیر ضروری خیال کی گئی ہے۔ بلکہ اُسے مشکلات سے بھی خالی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف خیانت کے بھی الزام لگائے ہیں۔ اور یہ بھی اعتراض کئے ہیں۔ کہ بعض مصنفین کی کتابیں اب مسلم نہیں ہیں۔ اس لئے یہ طے کرنے کے لئے کہ کہاں تک خیانت ہوئی۔ اور کس مصنف کی کتاب فریقین کے عقائد کے مطابق ہے اور آیا وہ فریقین کے مسلمات میں سے بھی ہیں یا نہ اور کہ اُن سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ درست ہیں یا نہ۔ اور کہ فریقین کو ان کی رائے کا پابند قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا نہ بہت وقت وسیع مطالعہ اور کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اور پھر اس سے نتیجہ کے بھی پورے طور واضح اور عام فہم ہونے کی توقع نہیں۔ اس لئے ایک طرف قرآن مجید

اور احادیث پر اور دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں پر حصر رکھا جا کر دیگر تمام حوالہ جات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ گو امام ربیعہ کا یہ کہنا کہ ادعاء وحی کفر ہے۔ اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعوے کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی بھی ہو تب بھی وہ کافر ہے۔ اور کہ بنی آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مختص ہے۔ اور غیر کے لئے کشف، الہام یا وحی معنوی ہو سکتی ہے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ...... الخ میں اللہ تعالے نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ وہ صرف پیغمبروں کیساتھ ہی۔ ان تین طرق مندرجہ آیت مذکور سے کلام کرتا ہے۔ اور غیر پیغمبروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت میں بشر کا لفظ رکھا ہے۔ جس میں نبی اور غیر نبی دونوں داخل ہیں۔

سورۂ قصص رکوع ۱ آیت وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى...... الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر وحی صرف پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہوتی۔ تو ام موسیٰ پر خدا کیطرف سے یہ وحی نازل نہ ہوتی۔

اسی طرح سورہ مریم کی آیت فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا...... الخ اور آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ .... مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ .... مُقَرَّبِيْنَ اور سورہ کہف رکوع ۱۱ کی آیت قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ.... حُسْنًا کے حوالہ جات پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ

۱۔ وحی انبیاء سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر انبیاء پر بھی وحی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۔ جن طریقوں سے اللہ تعالے انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہی طریقوں سے غیر انبیاء یعنے اولیاء وغیرہ کیساتھ بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۱ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتوں کا نزول انبیاء علیہم السلام سے خاص نہیں۔ بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی ہی

نازل ہوتی ہے۔ جس میں امر و نہی ہوتے ہیں۔ اور کہ غیر انبیاء کی وحی بھی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس کے آگے مدعا علیہ کے گواہ کا بیان ہے۔ کہ مدعیہ کے گواہان نے جو یہ کہا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی۔ جو اس کا دعوےٰ کرے۔ وہ کافر۔ اس کی انہوں نے قرآن مجید یا احادیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ہاں صرف ایک گواہ نے بحوالہ آیت وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ ...... مِنْ قَبْلِكَ پیش کر کے کہا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی۔ تو اس آیت میں ضرور اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ چونکہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی نہیں ہو سکتی اس کا ایک جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں تشریعی وحی کا ذکر ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی جو آپ کی شریعت کی ناسخ ہو۔ منقطع تھی۔ اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی تائید میں پھر چند علماء کے اقوال نقل کئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ علماء کہتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم کے بعد وحی تشریعی ہو گی۔ بلکہ وحی الہام ہو گی۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اکابر علماء لکھ چکے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر وحی ہو گی۔ اور حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی ہو گی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ مسیح موعود آئیگا۔ تو ان پر وحی ہو گی۔ تو اُسے خدا کیطرف سے یقین کریگا۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔ غیر تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت نہیں کرتی۔ اس امر کی دلیل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے۔ اور آنحضرت کے کامل متبعین پر اس کا دروازہ بند نہیں ہے آیات ذیل اَلَّذِیْنَ وَاللّٰهُ . . تَنْزِیْلًا پارہ ۱۰ رکوع ۸ اور اَفَلَا یَرَوْنَ .... قَوْلًا پارہ ۱۶ رکوع ۱۲ کے حوالے دیا جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندوں سے خدا کا کلام کرنا ضروری ہے پس کیونکر مان لیا جاوے کہ حرم کعبہ کا رب اور قرآن کے اتارنے والا خدا بچھڑے کی جو حیث

اور الوہیت کا ابطال بھی عدم تکلم کی وجہ سے کر دی۔ خدا اپنے پیارے بندوں سے ویسا سلوک کرے نیز آیت وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ …….. غَافِلُوْنَ سورۃ احقاف رکوع ۱ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ خداوند تعالے اپنے بندوں کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہے۔ اور آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ …….. الخ آل عمران رکوع ۴ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ خدا اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ اور یہ بدیہی بات ہے۔ کہ محب اپنے محبوب سے ہمکلام ہو۔ اور اس کی باتیں سنے۔ اور اپنی کہے۔ ورنہ عدم کلام نقص محبت پر دلیل ہوگا۔ کیونکہ محبوب کا کلام نہ کرنا دلیل ناراضگی ہے۔ اور خدا جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے بڑھکر مہربان ہے۔ ضرور اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ جب وہ اپنے پیاروں سے کلام کرتا تھا۔ تو اب نہ کرے۔ اللہ تعالے کی ایک صفت جو اس کی خدائی پر ایک علی دلیل ہے۔ وہ اس کا متکلم ہونا ہے۔ پس یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ اب قیامت تک اس صفت کا تعطل مان لیا جاوے اور کہا جاوے کہ اس کی صفت تکلم زائل ہو چکی۔ یعنے کہ وہ اب کسی سے کلام نہ کرے گا۔ تو اس کا سمیع ہونا کیونکر معلوم ہوگا۔ کہنے والے پھر بھی کہہ دیں گے کہ وہ پہلے سمیع تھا۔ اور اب نہیں۔ اس کی تائید میں پھر یہ ایک دنیاوی مثال دیگئی ہے۔

اگر کوئی عاشق اپنے کسی محبوب کے دروازہ پر آہ و بکا اور گریہ زاری کرتے ہوئے بیخودی کی حالت میں جائے۔ گر محبوب نہ دروازہ کھولے۔ اور نہ اندر سے کوئی آواز آوے تو یقیناً وہ عاشق ناامید ہو کر رویگا۔ اور خیال کرے گا۔ کہ یا تو میرا محبوب مر چکا۔ یا مجھے دھوکا دیا گیا۔ پس اسیطرح اللہ تعالے جسکا دیدار بوجہ اس کے وراء الورا اور لطیف ہونے کے ہم نہیں کر سکتے۔ اگر وہ گفتار سے بھی اپنے عشاق کو تسلی نہیں دلیگا۔ تو آخر وہ ایکدن ناامید ہو کر اسے چھوڑ دیں گے۔ کہ عشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور وہ ایسے محبوب کو جس کے دیدار اور گفتار سے اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے محروم سمجھے۔ اسے بھی

Scanned with CamScanner

اپنے عشق کا حل نہیں بھرتا۔ حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہمکلام ہونے کیلئے اپنے دل میں از حد تڑپ رکھتا ہے۔ اور اُس کے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آبحیات سمجھتا ہے پس وہ علیم خبیر ہستی جو انسانوں کے اندر احساسات و جذبات کا پیدا کرنے والا ہے کسطرح اپنے مشتاق کو اپنی ہمکلامی سے محروم رکھ سکتا ہے۔ اور اُس کی تائید میں آیات ذیل وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ...... الخ اور اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا ...... تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ حٰم۔ سجدہ رکوع ۴ پیش کیگئی ہیں۔ اِن کے بعد پھر آیات رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ...... یَوْمَ التَّلَاقِ سورہ مومن رکوع ۲ اور یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ...... فَاتَّقُوْنِ سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ کہ جسطرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ازمنہ سابقہ میں اپنے وحی سے مشرف کرتا رہا ہے۔ آئندہ بھی کریگا۔ کیونکہ آیت میں نزول وحی کا موجب اللہ تعالےٰ کا رفیع الدرجات و ذوالعرش ہونا ہے۔ اور ضرورت انذار قرار دیا گیا ہے پس جبکہ اللہ تعالےٰ اب بھی رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہے۔ اس میں تغیر نہیں آیا۔ اور لوگ بھی لحاظ روحانیت مُردہ ہو گئے۔ تو پھر وحی کا انقطاع کیونکر مان لیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ...... الخ یعنے اُمت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور سنت بھی اس پر پوری ہو چکی۔ اور دُعا بھی خُدا نے ہمیں سکھلائی کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ اے خُدا تو ہمیں اپنے پیارے اور مقرب بارگاہ بندوں یعنے انبیاء۔ صدیقین۔ اور شہداء اور صالحین کے راستہ پر چلا۔ تو عقل سلیم کیونکر تسلیم کر سکتی ہے۔ کہ اُمت محمدیہ جو سب امتوں سے بہتر ہو۔ لیکن انعامات الٰہیہ سے محروم ہو پہلی امتوں کے مردوں کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو بھی اپنے کلام سے مشرف کیا اور ان پر فرشتے نازل ہوئے۔ لیکن اُمت محمدیہ کے بڑے سے بڑے درجہ کے مرد کو بھی یہ انعام نہ ملے۔ پس یہ کہنا کہ اُمت مرحومہ پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ اور خُدا اُس سے کلام

نہیں کرتا۔ تو پھر یہ خیر الامم کیسے ہوئی۔ اور یہ کہنا غلطی ہے۔ کہ خدا تعالے نے آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے تھے اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا ہے۔ اور اُمّت میں سے کسی ایک فرد کو بھی اپنے ہمکلام ہونے کے مُبارک شرف سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالے اور اُس کا پاک رسول اور اولیاء اُمّت یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ یہ فیضان الٰہی اس امت پر بند نہیں ہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ تم میں سے پہلے قوم بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے لیکن اللہ تعالے اُن سے کلام کرتا تھا۔ میری اُمّت میں ایسے لوگوں میں اگر کوئی ہے۔ تو عمر ہے۔ دوسری روایت میں محدث کا لفظ آیا ہے۔ صحابہ نے حضور سے دریافت فرمایا۔ کہ یا رسول اللہ محدث سے کیا مُراد ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ فرشتے اُس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابن عربی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور مولنا روم کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک بھی یہ پایا جاتا ہے۔ کہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں۔ خدا کے بندوں اولیاء اللہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ وحی جو نبی میں ہے۔ وہ خاص ہے۔ اور وہ شریعت والی وحی ہے اور کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ وہ اس اُمّت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے اور جیسا کہ مولنا روم نے کہا ہے۔ ہوتی تو وہ وحی حق ہے۔ لیکن صوفیاء نے عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اُسے وحی دل بھی کہدیتے ہیں۔ اور کہ جس طرق سے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہام ہوتا ہے۔ انہیں طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحات کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اصطلاح فرق مراتب کے لحاظ سے قرار پاگئی ہے۔ کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں۔ اور کہ ولی پر بھی وحی بواسطہ ملک ہوتی ہے۔ اور مدعیہ کے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ کے نزول پر اُن پر وحی نازل ہوگی۔ اور اس کے متعلق علماء کا قول ہے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ اس کے آگے پھر کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی کتب سے جو یہ دکھلایا گیا ہے کہ

Scanned with CamScanner

وہ بھی آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانتے ہیں۔ تو وہاں ان کی مراد وحی تشریعیہ ہو ہے۔ نہ کہ دوسری وحی ہے۔ جسے وہ جاری سمجھتے ہیں۔ اور ان تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی کہ جس میں نئے اوامر و نواہی ہوں جاری ہے اور جن علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ آپ کے بعد وحی اور الہام کا سلسلہ بند ہے۔ تو اس سے مراد ایسی وحی ہے۔ جو شریعت محمدیہ کے مخالف نئے اوامر و نواہی پر مشتمل ہو۔ نہ مطلق وحی جس کا اُمّت محمدیہ میں باقی رہنا قرآن مجید۔ حدیث اور بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہے اس کے آگے پھر دوسرا ہیڈنگ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے جس وحی کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس کا ادعا کفر ہے۔ اس سے مراد وحی نبوت سے ہی ہے۔ فریق مدعیہ کے نزدیک وحی کا لفظ صرف انبیاء کیلئے ہی مختص ہے۔ اور وہ اس امر کے قائل نہیں کہ جو وحی نبی کو ہوتی ہے۔ وہ غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے۔ اسلئے اب مدعا علیہ کے بحث سے ہی یہ طے کرنا ہے۔ کہ آیا اس قسم کی وحی جو انبیاء کو ہوتی ہے غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے یا نہ۔ اس کے متعلق جن آیات قرآنی کا حوالہ مدعا علیہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ظاہری الفاظ سے یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ام موسٰے پہ وحی ہوئی۔ حضرت مریم پر فرشتے اُترے اور ذوالقرنین سے اللہ تعالےٰ نے کلام فرمایا۔ لیکن اگر یہ نتیجہ محض ان الفاظ اَوۡحَیۡنَا قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اور قلنا کے استعمال سے اخذ کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ وحی کا لفظ قرآن مجید میں نہ صرف ذوی العقول کی بابت استعمال فرمایا گیا ہے بلکہ غیر ذوی العقول کی بابت بھی جیسا کہ سورہ نحل میں ہے۔ کہ شہد کی مکھی کو وحی کی گئی۔ یہاں میرے خیال میں مدعا علیہ کے نزدیک بھی وحی سے مراد وہ وحی نہیں ہو سکتی جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ یہاں یقیناً اس کے کوئی اور معنے بشکل فطرت میں داخل کرنا ہے۔ وجہ نا کے

[illegible] جیسے قرآن مجید میں وحی کا لفظ [illegible] پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے [illegible] ہے۔ نتیجہ نہیں ہوتا کہ [illegible] قسم کی وحی ہو [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید میں صریح [illegible] فرمادیا کہ ہم نے تیری طرف اس قسم کی وحی بھیجی ہے جیسے کہ حضرت نوح اور ابراہیم اسحاق اسمٰعیل یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجی گئی [illegible] فرماتا ہے اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ [illegible] لفظ وحی کا استعمال ہے [illegible] ذات کے لئے [illegible] نہیں [illegible] ہے۔ [illegible] میں [illegible] ہے۔ وان الشیطین لیوحون الی اولیاءھم۔ [illegible] لفظ وحی کا استعمال [illegible]

[illegible] قسم کے [illegible] حضرت [illegible] کے [illegible] کی طرف سے [illegible] کلام کرتے ہو [illegible] ۲۰ [illegible] کلمات کے سلسلہ میں ہوا [illegible] حضرت [illegible] کے [illegible] غیر انبیاء سے اسی طریق پر کلام کرتا ہے جیسا کہ فرمایا [illegible] کے متعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نبی تھیں [illegible] ہوئی [illegible] تھے۔ [illegible] لفظ [illegible] کا استعمال نبوت کے [illegible] کرنے کیلئے کافی نہیں۔ اگر غیر انبیا کیساتھ بھی اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو سکتا ہے [illegible] علاوہ ازیں اگر [illegible] جاوے کہ حضرت اُمِّ موسیٰ و حضرت [illegible]

ہو جیسا کہ انبیاء کو ہوتی ہے۔ تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ ایسی وحی غیر انبیاء کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بیان پیغمبروں کی ماؤں کے متعلق ہیں۔ اور ان ہر دو پیغمبروں کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ انہیں پیدا ہونے کے بعد ہلاک نہ کر دیا جاوے۔ اس لئے ان کی ماؤں کو تسکین دینے کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی سے مشرف فرما دیا ہو۔ تو کوئی عجیب نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ یہ واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل کے ہیں۔ ممکن ہے کہ خاص حالات کے تحت خاص خاص اشخاص کے ساتھ ہمکلام ہونا مشیت ایزدی سے ضروری سمجھا گیا ہو۔ اور اس کی تائید خود مدعا علیہ کی پیش کردہ حدیث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ کہ باوجود وہ نبی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین بھی اسی ذیل میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرما دیا کہ میرے بعد نبوت میں سے سوائے مبشرات کے اور کچھ باقی نہیں تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ غیر انبیاء کو بھی وہی وحی ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ اس حدیث کو فریق مدعا علیہ نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ یہ عام اشخاص کے متعلق ہے۔ خواص کیلئے نہیں۔ اگر خواص اس سے مستثنیٰ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلعم اس کی تصریح نہ فرما دیتے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

باقی رہے صوفیائے کرام کے اقوال اور تحریریں۔ ان کے متعلق ایک جواب تو اوپر سید انور شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے۔ کہ انہوں نے ان اشخاص کو جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں۔ اپنی کتابوں میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا دوسرا جواب بھی شاہ صاحب مذکور کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے نبوت کو بمعنے لغوی لیکر منقسم بنایا۔ اور اس کی تعریف خدا سے اطلاع پانا۔ دوسرے کو اطلاع دینا کی۔ اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام

Scanned with CamScanner

دونوں کو داخل کیا۔ اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت تشریعی اور نبوت غیر تشریعی۔ نبوت تشریعی کے بعدی اور رسل دونو مندرج کر دیئے۔ اور اب ان کے لئے نبوت غیر تشریعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے مختص کی۔ اور مخصوص ہو گیا۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے۔ کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ مرزا سرِ معارف۔ بکاشف اس کا دائرہ میں اور تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔ گو اوذکور نے کشف۔ الہام اور وحی کی یہ تعریف بیان کی ہے۔ کہ کشف اسے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا۔ جسکی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈالدیا اور سمجھا دیا جاوے یہ الہام ہے۔

خدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے۔ اور کشف و الہام ظنی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مختص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے یا معنوی وحی ہوسکتی ہے تشریعی نہیں۔

وحی کے تشریعی یا غیر تشریعی ہونے کی جو تفریق مدعا علیہ کیطرف سے کیگئی ہے۔ اس کی تائید میں اس نے سوائے اقوال بزرگان کے اور کوئی سند پیش نہیں کی۔ اور ان اقوال کی جو مدعیہ کیطرف سے ترجمہ اور تشریح کیگئی ہے۔ اور یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ ان بزرگان کی ان اقوال سے کیا مراد ہے اور ان کے دیگر صریح اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ کہ جن میں وہ رسول اللہ صلعم کو خاتم النبیین بمعنے آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر اعلیٰ بحث کی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں ہوسکتے۔ اور مدعا علیہ کیطرف سے جو اعتراض مدعیہ پر عائد کیا گیا تھا۔ کہ اس نے وجوہات تکفیر کے ضروریات دین ہونے کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ وہ بدرجہ اولیٰ خود مدعا علیہ پر وارد ہوتا ہے۔ کہ اس نے تشریعی اور غیر تشریعی وحی کی جو تقسیم کی ہے۔ اس کے متعلق کوئی ثبوت قرآن و احادیث سے پیش نہیں کیا۔ محض قیاسات سے ہی یہ کہا گیا۔ کہ جس آیت کا حوالہ مدعیہ کیطرف سے دیا گیا ہے کہ اس میں آئندہ وحی کا ذکر نہیں۔ وہ شریعت والی وحی کے انقطاع پر دلالت

Scanned with CamScanner

کرتی ہے

مدیر کیطرف سے درست طور پر کہا گیا ہے۔ کہ صوفیائے کرام نے نبوت کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی نام کردہ اصطلاحات کے مطابق ہیں۔ اس لئے ان کی نام کردہ اصطلاحات کو عام اُمت کے مقابلہ میں حجت قرار دینا درست نہیں ہے۔ مسیح موعود پر وحی کا ہونا مستثنیات سے ہے جس کی استثناء خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی۔ اس سے وحی نبوت کے اجراء کا ثبوت کیلئے نتیجہ نکالنا ایک غلطی ہے

آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ...... الخ میں البشر کے لفظ کے متعلق مدیر کیطرف سے کہا گیا ہے کہ مراد انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ لیکن اگر عام بشر بھی مراد لئے جاویں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ خدا عام آدمیوں سے کلام کرتا رہتا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کیساتھ ہمکلام ہونے کے طریق بتلائے ہیں۔ باقی کلام کا کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مشیت پر منحصر ہے۔ علاوہ ازاں۔ مدیر نے درست کہا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وحی نبوت جاری ہوتی تو قرآن مجید میں ضرور اس کی صراحت فرما دیجاتی۔ کیونکہ اس پر امت کی فلاح کا دارومدار تھا۔ باقی بزرگان دین کی بابت صوفیوں کے حوالے سے جو یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ اولیاء کو جو وحی ہوتی ہے۔ وہ دراصل وحی حق ہوتی ہے۔ اور اولیاء عام لوگوں سے پردہ کرنے کی خاطر اسے وحی ولی کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ ان کے شاعرانہ خیالات اور شاعری کی زینت ہیں جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گرامی مدیر نے کہا ہے۔ منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔ اور پھر جہاں انہوں نے وحی حق کے الفاظ لکھے ہیں ان کے ساتھ ہی واللہ اعلم بالصواب کا جملہ بھی موجود ہے۔ جس سے ان کے مفہوم کا خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پارہ ۸ رکوع ۳ اور پارہ ۱۷ رکوع ۱۰ کی آیات مولہ بالا سے بھی یہ استدلال درست نہیں کیا گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر تشریعی والی وحی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اول تو آیات اس زمانہ اور ان حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ اور نیز

ان لوگوں کو خطاب ہے۔ جو عبادت ہی سے ناآشنا یا غافل ہوں۔ اور جب رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے جو کسی ادنے سے ادنے مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ کہ خداوند تعالے سمیع بصیر اور علیم نہیں۔ باقی رہا اسکا آدمیوں سے کلام کرنا وہ اسکی مشیت پر منحصر ہے۔ اُسے کسی کی دعا۔ فریاد و فغاں سے کلام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دنیاوی عاشق و معشوق کی مثال بھی اسی پر نہایت ہی نازیبا طریق پر عائد کیگئی ہے۔ ہم اس مثال کو بھی اگر منظور کیا جاوے۔ تو رسول صلعم کی تعلیم ایسی ناقص نہیں۔ کہ عاشقان ہی کی محنت وہ پورے عمروں میں عاشقان الٰہی جن چلے میں خداوند تعالے کے دروازہ سے ناامید ہو کر روئیں۔ نعوذ باللہ یہ تصور کریں کہ انکا محبوب مر چکا یا انہیں دھوکا دیا گیا۔ دنیاوی معشوق بھی اگر اپنے عاشق کی دعا سن کر خود اُسے دل تحفہ بھیجدے۔ یا اس کی بات کو سن کر اس کا کل کام سرانجام کر دے۔ تو باوجود اس کے کہ وہ اس سے ہمکلام نہ ہو یا دیدہ نہ کرائے اس کا عاشق ضرور سمجھیگا۔ کہ اس کا معشوق زندہ ہے۔ اور اس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں عاشقان الٰہی کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آج تک کوئی تھوڑی نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور ویسے تو ایسے عشاق نہ صرف مذہب اسلام میں بلکہ ہر مذہب میں سینکڑوں کی تعداد میں پائے جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ کے ہمکلام ہونیکا ذریعہ ان کے عشاق کے دل کی تڑپ ہی قرار دیا جاوے تو ضرور ہے کہ خدا تعالے نے اس عرصہ میں ہر ایک عاشق سے نہ سہی۔ سو میں ہزاروں سے ہی۔ دس پندرہ بیس سال کے بعد نہ سہی۔ سو ہزار سال کے بعد ہی۔ کسی نہ کسی ایک سے تو ہمکلامی ظاہر ہوتی۔ نہ یہ کہ تیرہ سو سال تک یکدم خاموشی اختیار کئے رکھنے کے بعد صرف ایک شخص سے ہمکلام ہونا منظور فرمایا گیا۔ اور وہ بھی زیادہ تر پرانی تیرہ سو سال والی زبان میں گویا اب اُس کے پاس الفاظ و معانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اگر نعوذ باللہ خدا کے پاس ہمکلامی کیلئے نہ کوئی اور نیا مذہب ہے۔ اور نہ نئے الفاظ۔ تو پھر بیچارے اوروں کا کیا قصور ہے۔ کہ انہیں پرانی لکیر کا فقیر قرار دیا جا کر کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اُس پرانے کلام کی پیروی کرنی ہے۔ جو پہلے سے ہوتی آئی ہے۔

اگر عشاق کی تسلی محض گفتگو سے ہوتی اور وجود باریتعالے کے علم کا ذریعہ بھی یہی ہوتا تو جب بھی کسی کا کوئی عاشق بیقراری کی حالت میں آہ و بکا کرتا ہوا اس کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اس کے لئے فوراً دروازہ کھلجائے۔ تو اسلام صفحہ ہستی سے کبھی کا نابود ہو چکا ہوتا کیونکہ تیرہ سو سال کا زمانہ ایسا نہیں کہ عشاق نعوذ باللہ خداوند تعالے کی اس بے اعتنائی کو دیکھکر اس کے دروازہ پر پڑے رہتے۔ بلکہ بقول گواہ مدعا علیہ وہ عرصہ سے نا امید ہو کر لوٹ چکے ہوتے۔ اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ اللہ تعالے صرف ان عشاق سے ہی گفتگو کرتا ہے۔ کہ جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور دوسرے سے نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں عشاق کی تسلی محض گفتگو سے نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ جیسا کہ مدعا علیہ کے گواہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ دیدار یاران کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ عشاق جب گفتگو سے یار سے بہرہ اندوز ہوں۔ تو پھر کبھی اپنے عشق کی مستی میں قوم موسیٰ کی طرح اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً کی رٹ لگانی شروع کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ دیدار یار سے لذت اندوز ہوں۔ اپنا بیڑہ بھی غرق کر بیٹھیں۔ شک نہیں کہ حقیقی عشاق کے دلوں میں ضرور اپنے محبوب کے متعلق ایک تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے فرو کرنیکا علاج یہ نہیں۔ کہ محبوب سے ضرور ہمکلامی ہو۔

باری عَزَّ اِسْمُہٗ نے اپنے عشاق کی تڑپ فرو کرنیکا علاج خود ہی اپنے زندہ کلام قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔ یعنے خدا کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اور زیادہ اضطراب پیدا ہونیکی صورت میں فرمایا۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ .... الخ

گواہ مدعا علیہ نے اس آیت کو بقاء وحی پر دلیل پکڑا ہے۔ لیکن وحی سے مراد اگر اس قسم کی استجابت لیجاوے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ تو پھر خداوند تعالے کا ہر فرد بشر کیساتھ کلام کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور ہر شخص محل وحی بھی بن سکتا ہے۔ اس قسم کے استدلال

اختیار کرنے سے مذہب کی کوئی عظمت و وقعت ظاہر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی کوئی حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ گویا مدعا علیہ نے یہاں کہا ہے کہ خدا کا کلام نہ کرنا غضب اور ناراضگی کی علامت ہے۔ تو کیا اس سے سمجھا جائے گا کہ جن لوگوں سے پہلے خداوند تعالےٰ نے کلام نہیں کی کیا ان سب پر خداوند تعالےٰ ناراض رہا ہے۔ اور وہ مورد عتاب الٰہی ہیں۔ **استغفر اللہ۔**

بقاءِ وحی کے سلسلہ میں باقی مذکورہ جن دو آیات سورہ مومن اور پارہ ۲۴۔ رکوع ۲، کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان سے بھی وحی کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ آیات مدعا علیہ کی اپنی تقسیم کے مطابق وحی تشریعی ہی سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے کہ جس شخص کو وحی کیجاتی ہے اسکو یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے اس لئے اس قسم کی وحی کو مدعا علیہ کی اپنی تعریف کے مطابق وحی تشریعی ہی سمجھا جائیگا۔ اور یہ سلسلہ وحیہ کے ادعا کے مطابق اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم پر آکر ختم فرما دیا۔ اور مدعا علیہ کے نزدیک بھی اب تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے ان آیات سے وحی مطلق کے اجراء کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہی مدعا علیہ کی یہ حجت کہ اللہ تعالےٰ نے جب ہمیں دعا سکھلائی ہے۔ کہ اے اللہ ہمیں راہ مستقیم پر چلا۔ اور ان لوگوں کی راہ پر چلا۔ جن پر تو نے اپنے انعام کئے ہیں۔ اور پھر دوسری سورۃ میں اس کی تشریح فرمائی۔ کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اس کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح ہیں۔ اس سے یہ تلقین کیگئی۔ کہ اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلعم کی پیروی سے یہ چاروں مراتب تم کو حسب حیثیت ملسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اُمت محمدیہ تین مراتب کا تو انعام پائے اور چوتھے مرتبہ یعنے نبوت کا حصول اسکے لئے ناممکن ہو۔ حالانکہ اس سے پہلی امتوں نے اس انعام کو بار بار حاصل کیا۔ پھر یہ خیر الامم کسطرح ہوئی۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اُمت مرحومہ پر

وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے اور آنحضرت صلعم کے جو عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا گیا۔

اس کا جواب مدعیہ کیطرف سے یہ دیا گیا ہے۔ آیت میں یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَہٗ ... وَالصّٰلِحِیْنَ میں لفظ مَعَ الَّذِیْنَ سے مراد رفاقت سے ہے۔ نہ کہ ہمسری درجہ ہے۔ مدعا علیہ کے اعتراض کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب نبی کے علاوہ دیگر طرح جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی پیروی سے مل سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نبوت کا درجہ نہ مل سکے۔ اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر اس سے یہ لازم آئیگا کہ نبوۃ ایک کسبی چیز ہے۔ جو اتباع سنت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف کی نصوص سے یہ ثابت ہے۔ کہ نبوت کسبی نہیں۔ اور مرزا صاحب بھی اسے مانتے چنانچہ وہ اپنی کتاب نمیتہ النبوۃ۔ فی الاسلام صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کیساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو۔ اور نہ کبھی سلب ہو۔ اگر نبوۃ حضور علیہ السلام کے اتباع سے حاصل ہو سکتی تھی۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ آجتک جسقدر اولیاء۔ ابدال۔ اقطاب گذرے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر یہ سمجھا جاوے۔ کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حضور بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ تو ضرور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں کئی دیگر مراتب اور مدارج کے حصول کیلئے اپنی امت کو ادعیات اور اوراد کی تلقین فرمائی ہے وہاں اس مرتبہ کے لئے بھی کوئی دعا وغیرہ بھی تلقین فرماتے۔ تاکہ امت کے افراد اسکے حاصل کرنے میں کوئی آسانی میسر آتی۔ کیونکہ حضور کی شفقت سے یہ بعید تھا۔ کہ وہ امت کو اسقدر پریشانی اور محنت شاقہ میں ڈالتے۔ کہ محنت مدید کی انتظار اور عبادات کے بعد صرف ایک ہی مقصود پا کر زیست عطا ہوتی۔ اگر کوئی دعا وغیرہ تلقین کرنا آپکے نزدیک مناسب نہ تھا۔ تو کم از کم اس کی صراحت فرما دیتے۔ کہ تم کو یہ درجہ مل سکتا ہے۔ تمہیں اسکے حصول کے

کے متعلق کوشاں رہنا چاہیے۔ آپ نے نہ اس قسم کی کوئی مرحمت فرمائی۔ نہ ہی انکے لئے کوئی راستہ بتایا۔ بلکہ یہی فرماتے رہے۔ کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَاَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وغیرہ گویا کرامت کو نعوذ باللہ از دست دھوکے میں رکھتے رہے۔ تاکہ وہ کہیں یہ درجہ حاصل کرکے آپکے مقابلہ میں نہ کھڑے ہو جاویں۔

بلکہ آپ کا رحمۃ اللعالمین ہونا اس بات کا متقاضی تھا۔ کہ آپ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی اُمت میں سے زیادہ انبیاء پیدا کرکے اپنے افضل الانبیاء ہونیکا ایک اعلیٰ اور بیّن ثبوت بہم پہنچاتے۔ لھٰذا قرآن شریف کی دیگر تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت محولہ بالا کا مفہوم یہی لیا جائیگا۔ کہ وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے اور چونکہ مدعا علیہ کو دنیاوی امثال کا بہت شوق ہے۔ اس لئے اُس کی مثال یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جیسے حکومت کسی شخص کو اس کی ذاتی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دربار میں اپنے کسی ممتاز عہدہ دار کیساتھ جگہ دیدے۔ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس شخص نے اس عہدہ دار کا رُتبہ حاصل کر لیا ہے یا یہ کہ وہ اس کا رتبہ حاصل کرنیکا اہل بنا دیا گیا ہے۔ اسیطرح اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا۔ کہ وہ لوگ جن کی آیاتِ ماسبق میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صلحاء کے ہمراہ ہوں گے۔ اسلئے مدعا علیہ کا یہ استدلال کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کہ اگر اُمت محمدیہ کو نبوت کا درجہ نہ ملے تو وہ خیر الامم نہیں رہتی۔ اس کے خیر الامم ہونے کے لئے خُدا نے اُسے اور کئی مدارج عطا فرمائے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اس بات کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ کہ وہ نبوت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی پر ترجیح دے۔ بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء آپ کی اُمت میں داخل ہونے کے متمنی رہے ہیں۔ افسوس کہ قرآن کی تعلیم کو پوری طرح مدنظر نہیں رکھا گیا ورنہ یہ اعتراض نہ کیا جاتا۔

قرآن حکیم میں حیاتِ انسانی کی پُوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی۔ علاوہ جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پرویز مضمون مذکور بالا میں لکھتے ہیں۔ جنت ہی جو بالعموم منزل مقصود

سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت اصل نزاع مقصود نہیں۔ بلکہ مسئلہ کا ایک ضمنی منظر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مومنوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقولون ربنا اتمم لنا نورنا۔ اس سے یہی کہ ایک مدار رکھا گیا۔ نہ معلوم کہ حضور کے فیض سے نبوت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائیگا۔ لہذا مدعا علیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہے۔ کہ وہ وحی جو انبیا علیہم السلام کو ہوتی ہے وہ اس وقت تک جاری ہے۔ بلکہ صرف الہام اور کشف وغیرہ باقی ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کا دعویٰ ہے۔ اور ان کو لغوی طور پر وحی کہا جا سکتا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا دارومدار زیادہ تر رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین بمعنے آخری نبی ماننے کے عقیدہ پر ہی ہے۔ سو مدعیہ کیطرف سے جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔ بحوالہ آیات قرآنی واحادیث واجماع امت یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثنا حضور نے خود کر دی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہ مرزا صاحب کے ہونے سے قبل اور اب بھی سوائے مرزا صاحب کے پیروؤں کے دیگر جملہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام انبیاء کی تعداد اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اور آپکے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے نبوۃ کا مرتبہ عطا ہو سکتا ہے۔ اور وہ خاتم النبیین کے معنے عام مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف یہ کرتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلعم کو صاحب خاتم بنایا یعنے آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر عطا کی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپکا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنے آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ الفاظ درج ہیں۔ اُس کے معنے مدعا علیہ کیطرف سے یہ کئے گئے ہیں۔ کہ اس آیت میں رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیین اس لئے لائے گئے کہ ہر نبی اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا تھا۔ صرف اتنا کہدینے سے کہ آپ بحیثیت

Scanned with CamScanner

رسول اپنی امت کے باپ ہیں۔ آپکی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہ ہوتی تھی! اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین فرما کر آپ کو دوسرے رسولوں سے ممتاز فرمایا۔ کہ اور نبی تو اپنی اُمّت کے صرف مومنوں کے باپ تھے مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ یعنے آپکی اتباع اور توجہ روحانی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور اگر اس کے معنے آخر کیلئے جاویں۔ تو اس میں آپ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اس تصریح سے اس حد تک تو مدعا علیہ کی یہ توجیہ درست ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ دیگر انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو افضل دکھلانا مقصود تھا۔ اس لئے الفاظ خاتم النبیین استعمال فرمائے گئے۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ محض لفظ خاتم کے استعمال سے آپکا نبی تراش ہونا کسطرح مفہوم لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر خاتم کے معنے مہر بھی کئے جاویں تو اس کے یہ معنے کر لینے بھی کہ آپ انبیاء سابقہ پر مہر ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت نمایاں ہو سکتی ہے۔ اور محض یہ توجیہ بھی کہ آپ انبیاء کے باپ ہیں آپ کی فضیلت ظاہر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ پھر معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آپکے اس تفضیلی علاقہ ابوت سے آئندہ اولاد انبیاء کا سلسلہ جاری ہونا کسطرح اخذ کیا گیا ہے۔ اور پھر اولاد بھی صرف ایک ہی نبی کا۔ اس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنے مہر دیگر علماء نے بھی کئے ہیں اور حال ہی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی خاتم کے معنے مہر درج ہیں۔ اور خاتم النبیین کے معنے انہوں نے یہ لکھے ہیں۔ کہ مہر ہیں تمام نبیوں پر۔ اور میری رائے میں سیاق سباق عبارت سے یہی معنے درست معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر مدعا علیہ کا یہ اعتراض ہوگا۔ کہ پھر رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا کہاں سے اخذ کیا جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا احادیث سے اور اُمت کے اجماعی عقیدہ سے اخذ کیا جائیگا۔ اُمت آجتک آپ کو آخری نبی سمجھتی آئی۔ اور جیسا کہ مولوی مرتضےٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ آجتک جسقدر اولیاء ابدال۔ اقطاب۔ مجتہدین مجدد ہوتے آئے ہیں۔ کسی نے اس عقیدہ کی تغلیط نہیں کی۔ دوسرے مدعا علیہ کو بھی اس سے

انکار نہیں۔ کہ خاتم کے معنے آخری بھی ہیں۔ اور اس معنے پر اُمت کا اجماع چلا آتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اس اجماع کی حقیقت کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل جمہور اُمت کا عقیدہ اسطرح چلا آیا ہے۔ اس لئے ایک امر واقعہ کو غلط کہنا ایک بیجا حجت ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے لغت عربی زبان کے محاورات سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ لفظ خاتم جب ت کی زبر سے پڑھا جاوے تو انگوٹھی یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر زیر سے پڑھا جاوے۔ تو اُس کے معنے ختم کرنیوالا۔ اور مہر لگانیوالا ہوتے ہیں اور خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

اور کہ خاتم کے اصل معنے آخر کے نہیں ہیں۔ اگر آخر کا معنے بھی لئے جاویں۔ تو پھر لازم معنے کہلائیں گے نہ اصل معنے۔ اور جب اصل معنے لئے جا سکتے ہیں تو لازم معنے کیوں لئے جاویں۔ خاتم گو کبھی آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنے لیکر کیا جاتا ہے۔ اور جبکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صحیح قرینہ موجود نہیں۔ جو لازم معنے لینے پر ہی دلالت کرے۔ تو اُس کے باقی سب معنے چھوڑ کر صرف آخر کے معنے میں لینا کسیطرح صحیح نہیں۔ لیکن مقدمہ ہذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے الفاظ کے معنے یا مُراد سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس معنے پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنے آخر کے ہو سکتے ہیں۔ اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اس پر قائم رہا ہے تو اب ان الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنے آخر کے نہیں بلکہ مہر کے ہیں۔ سوائے ایک علمی دلچسپی کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں جو علماء اس کے معنے قبل ازیں آخر کے کرتے آئے ہیں ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ اس کی لغت یا اصل سے واقف نہ تھے۔ اس لئے اس لفظ کے معنے پر بحث لاحاصل ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب بھی اپنے دعوے سے قبل خاتم النبیین کے معنے آخری کرتے آئے ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہان کے بیانات میں دکھلایا جا چکا ہے۔ بعد کے معنے محض تاویلی ہیں۔ اور اپنے دعوے کو رنگ دینے کی خاطر کئے گئے ہیں۔ اور اب مدعا علیہ کیطرف

سے یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے جہاں جہاں آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ درست نہیں ہے کیونکہ جہاں انہوں نے وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں انہوں نے اسکی تصریح نہیں کی۔ اور سیاق سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ اقوال اس قسم کے ہیں۔ جن کے متعلق کہ مدعا علیہ کی بحث کے شروع میں فقرہ ۲ میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے دیگر اقوال ان کی توضیح یا تشریح نہیں بن سکتے۔ اس قسم کے اقوال جن سے مرزا صاحب انقطاع وحی کے قائل پائے جاتے ہیں۔ گواہان وغیرہ کے بیانات میں مفصل درج ہیں۔ جو اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔

مدعا علیہ کیطرف سے اس مسئلہ ختم نبوت کے متعلق پھر یہ کہا گیا ہے۔ کہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے آیت خاتم النبیین سے نبوت کو کلی مسدود نہیں سمجھا۔ جیسا کہ حدیث لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آیت خاتم النبیین کے نزول سے پانچ سال کے بعد حضور نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن اول تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔ جسکا اظہار خود گواہ مدعا علیہ نے کر دیا ہے۔ دوسرا اس میں لو کا ایک شرطیہ لفظ موجود ہے۔ اور قواعد علماء کی رو سے مدعا علیہ کیطرف سے یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ جہاں لو داخل ہو وہاں وقوع نہیں ہوتا۔ تیسرا اس میں نبوت کی کوئی تفصیل نہیں۔ کہ کیسی نبوت ہوگی۔ چوتھا نبوت کا امکان حضرت ابراہیم کی زندگی پر تھا۔ جب وہ وفات پا گئے۔ نبوت کا امکان بھی چلا گیا۔ اس لئے کسی طرح بھی آئندہ نبوت جاری رہنے کا نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ مدعا علیہ کیطرف سے حضرت عائشہ کا ایک قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ نقل کیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ اس قول سے ظاہر ہے۔ کہ وہ لوگ جو الفاظ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپکے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں پھر یہ کہا گیا ہے کہ دوسری شہادت حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ

ایکدفعہ آپ کے صاجزادے اُستاد کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایکدفعہ اتفاقاً حضرت علیؓ وہاں سے گذرے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں کو خاتم النبیین کا لفظ ت کی زبر سے پڑھاؤ۔ دوسری قرأت میں خاتم ت کی زیر سے بھی آیا ہے۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک ت کی زیر سے بھی خاتم کے معنے آخری نبی کے بنتے تھے تو آپ نے زیر کے پڑھانے سے منع کیوں کیا۔ کیونکہ زیر سے ختم کرنے کے معنے زیادہ واضح ہو جاتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ دونوں میں آپ فرق سمجھتے تھے اور زیر پڑھانے سے آپ کو اسکا خطرہ تھا کہ کہیں بچوں کے ذہن میں نبوت کے متعلق غلط عقیدہ نہ بیٹھ جائے۔

حضرت علی کے متعلق جو حدیث لانبی بعدی والی بیان کیگئی ہے۔ اور جو مولوی محمد حسین صاحب گواہ مُدعیہ کے حوالے سے اُوپر گذر چکی ہے۔ اُسے مدعاعلیہ کیطرف سے صحیح مانا گیا ہے۔ مگر اس کی تاویل یہ کیگئی ہے۔ کہ بعدی سے مُراد یہاں موت کے بعد نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ بعدی سے مُراد جنگ تبوک کا عرصہ ہے۔ یعنے اس عرصہ میں آپکے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا جاکر یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اُنکا مطلب یہ ہے کہ اے علی تم اس بات پر راضی نہیں۔ کہ میرے خلیفہ ہو۔ جیسے ہارون موسےٰ کے خلیفہ تھے۔ مگر ہاں تم نبی نہیں ہوگے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس جملہ کے زمانے کی ضرورت یہ تھی۔ کہ جب حضرت علی کو ہارون سے مشابہت دیگئی۔ تو شبہ پڑسکتا تھا کہ آپ حضرت ہارون کیطرح نبی بھی ہوں گے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے وضاحت فرمادی۔ کہ تم میرے بعد خلیفہ ہوگے۔ نبی نہیں ہوگے۔

یہ تمام دلائل محض قیاسی ہیں۔ اور کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا جواب بھی قیاسی ہوسکتا ہے۔ حضرت علی کے صاجزادوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ حضرت علی نے ت کی زیر سے اسلئے پڑھانا منع کیا ہو کہ زیر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

Scanned with CamScanner

کی فضیلت کا پہلو پوری طرح سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور زیر سے پڑھانے سے دونوں پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جاوے کہ اس وقت حضرت علی کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ زیر سے پڑھانے سے نبوت کے منقطع ہونیکا مغالطہ پڑتا ہے۔ اور کہ ان کے نزدیک حضور کے بعد نبوت جاری رہیگی۔ تو جنگ تبوک کے موقعہ پر جب حضور نے انہیں ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ فرمایا تھا۔ کہ لانبی بعدی۔ تو وہ عرض کر سکتے تھے۔ کہ حضور جب آپ مثیل موسیٰ ہیں اور میں مثیل ہارون علیہ السلام تو میں بھی آپکا چچازاد بھائی ہوں۔ اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کیطرح کیوں میرے حق میں دعا نہیں فرمادیتے۔ کہ خدا مجھے بھی نبی بنادے۔ اور باہمی مماثلت کی بناء پر کوئی عجب نہ تھا۔ کہ حضور کی دعا سے خدا انہیں بھی نبوت کا مرتبہ عطا فرمادیتا۔

یہ محض ایسے قیاسات ہیں کہ جو ظنیات کی حد تک بھی نہیں پہنچتے۔ اور مذہب میں جیسا کہ خود مدعا علیہ کیطرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ ظنیات یا قیاسات کا۔ باقی رہا حضرت عائشہ کا قول اسکے متعلق مدعیہ کیطرف سے تین جواب دئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لا نبی بعدہ کے کہنے سے چونکہ یہ اندیشہ تھا۔ کہ کہیں کوئی یہ عقیدہ شخص حضرت عیسیٰ کے نزول سے انکار نہ کردے۔ اس لئے آپنے یہ فرمایا کہ خاتم النبیین کہو۔ لا نبی بعدی نہ کہو۔ دوسرا یہ کہ خاتم النبیین کے کہنے سے چونکہ دونوں معنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری اور افضل ہونا ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ لا نبی بعدہٗ نہ کہو بلکہ خاتم النبیین کہو۔

تیسرا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حدیث خود روایت کی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ نبوۃ ختم ہو چکی۔ سوائے اس کے اب مبشرات ہونگے۔ اور مبشرات کی تشریح آپنے یہ فرمائی۔ کہ اچھی خوابیں۔ اسلئے مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب حضرت عائشہ کو خود اس حدیث کا علم تھا۔ تو کسطرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے لا نبی بعدہٗ کہنے سے اسلئے منع کیا کہ وہ آپ کے بعد نبوت کو جاری سمجھی تھیں۔ یہ ایک بہت معقول جواب ہے اس کے علاوہ جن لوگوں کو آپنے منع کیا ہوگا کہ وہ لانبی بعدہٗ نہ کہیں۔ تو انہوں نے آخر کوئی

Scanned with CamScanner

وجہ تو دریافت کی ہوگی۔ کیونکہ اس سے شبہ پڑ سکتا تھا۔ کہ کیا آپ کے بعد نبوت جاری ہے جو وہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں کیجاتی اسلئے ان کے اس قول سے یہ کوئی دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کہ وہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری سمجھتی تھیں۔

اس سلسلہ میں پھر مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں الفاظ خاتم النبیین ہیں آخر النبیین نہیں۔ آخر کچھ تو بھید ہے کہ اللہ تعالے نے آپکے لئے آخر النبیین نہیں کہا۔ بلکہ خاتم النبیین کہا۔

اس میں اول تو کوئی بھید نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ آخر النبیین کا لفظ خاتم النبیین کے مقابلہ میں زیادہ فصیح معلوم نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جو غیر فصیح ہو۔ دوسرا اللہ تعالے کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں فضیلتیں یعنے آپکا آخر ہونا اور افضل ہونا دکھلانا مقصود تھیں۔ اس لئے خاتم النبیین کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اور اگر اللہ تعالے کو اس میں کوئی بھید رکھنا منظور تھا۔ تو پھر اس بھید کا کیا حل ہے کہ اللہ تعالے نے جب قرآن مجید کو نور۔ ہدایت اور فرقان فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے میں تمہاری فلاح ہے۔ اور گذشتہ بہت سے انبیاء کی تفصیل بھی بیان فرمادی لیکن آئندہ آنیوالے نبیوں کے متعلق نہ کوئی صراحت فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ان پر بھی ایمان لانا فرض ہوگا۔ تو پھر قرآن کیونکر نور اور ہدایت ٹھیرا۔

مدعا علیہ کے ایک گواہ کا بیان ہے۔ کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ خبر واحد ہے۔ جو ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور عقائد میں ظنیات کام نہیں دیتے۔ لیکن افسوس کہ یہ کہتے وقت اسے شاید اپنے طریق استدلال پر نظر نہیں رہی۔ کہ وہ کہاں تک قطعیات کی رو سے بحث کر رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

اسی طرح اس نے ان احادیث کی بہت سی تاویلیں کی ہیں جن میں حضور کے متعلق آخر کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور عربی۔ فارسی۔ اردو شعراء۔ اور مصنفین کے اقوال کے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ لفظ آخر اکثر بمعنے کمال استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث ایک علمی دلچسپی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ یہاں بحث عقائد سے ہے نہ کہ الفاظ کے معنے سے۔ اور چونکہ الفاظ زیر بحث سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس معنے پر ہی آجتک امت کا عقیدہ چلا آیا ہے۔ اور یہ عقیدہ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس لئے اس عقیدہ کو تبدیل کرانا کسی ادیب۔ عالم منطق یا قاضی کا کام نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ سوائے اس شخص کے جو مامور من اللہ ہو۔ اور کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس پر پیچھے کافی بحث ہو چکی ہے۔ کہ آیا مرزا صاحب نبی اور مامور من اللہ ہیں یا نہ۔ اور آخری نتیجہ میں بھی اس پر بحث کیجاویگی۔

مدعا علیہ کیطرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگان کے اقوال نقل کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہو گئی۔ نہ کہ مقام نبوت۔ اور کہ وہ حضور کے قول لا نبی بعدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو۔ بلکہ جب بھی ہوگا۔ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔

مدعیہ کیطرف سے ان اقوال کی توضیح بیان کی گئی ہے۔ اور ان بزرگان کے دیگر اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے کے قائل تھے لیکن قطع نظر اس کے یہ ممکن ہے۔ کہ یہ اقوال لکھتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان لوگوں کے ذہن میں ہو اور اس لئے یہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد جب بھی کوئی نبی ہو گا وہ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں سے دیکھنے سے پوری طرح کیا جا سکتا ہے۔

ان حوالوں کو چونکہ اس فیصلہ میں بحث سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ان پر زیادہ رائے زنی کی ضرورت نہیں۔ اگر ان تحریروں کا مطلب مدعا علیہ کے دعا کے مطابق بھی صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا یہ انکی ذاتی رائے ہے یا امت کا عقیدہ۔ مگر ان تحریروں کے بعد امت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اور ان کا عقیدہ جوں کا توں رہا ہے۔ اور اس میں ذرا بھر فرق نہیں آیا۔ تو پھر یہ تحریریں ان کی ذاتی اور شخصی رائے کے سوا اور کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اور اگر ان کے یہ اقوال ان کا کشف بھی سمجھے جاویں تو بھی جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے۔ دین کے معاملہ میں وہ دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے کیونکہ دینی معاملات میں سوائے نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلعم کی دوسری حدیث ہے جس میں بنی اسرائیل کے نبیوں کے متعلق کہا ہے۔ کہ جب ان میں ایک نبی فوت ہوتا تھا تو فوراً اس کا خلیفہ نبی ہوتا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ یہاں حضور کی مراد بعدیت متصلہ ہے جو آپ کے فوراً بعد ایسا نہیں ہوگا۔ اور امت محمدیہ میں نئے نبی کی ضرورت نہ ہوگی لیکن اول تو اس حدیث کے یہ معنے تاویلی ہیں دوسرا نہیں کہا جا سکتا کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایک کوئی زمانہ نہیں آیا کہ جس میں نبی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کے لئے مدعا علیہ جس قسم کی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اس معنے سے تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک مرزا صاحب کو جو نبوت ملی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال اتباع فیض سے ملی ہے۔ اور یہ پایا جاتا ہے۔ کہ حضور کے زمانہ میں ہی حضرت عمر حضور کے ایسے متبعین میں سے تھے۔ کہ جنکی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔ اور ان کی بابت حضور نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا۔ تو حضرت عمرؓ ہوتے اور یہ بھی کہا کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمر مبعوث ہوتے۔ تو کیا حضرت عمر سے بڑھکر اس وقت حضور کے اتباع کے لحاظ سے کوئی شخص نبوت کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن مدعا علیہ کی مذکورہ بالا صراحت کے مطابق وہ حضور کے بعد اس لئے نبی نہ بنے کہ اس وقت نبی کی ضرورت نہ تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کے اتباع سے نبوت ملنے کیساتھ مشیت میں یہ بھی مقدر ہے۔ کہ اس قسم کی نبوت اس وقت دیجاوے۔ جبوقت کہ اس کی ضرورت ہو۔ اور اس سے مدعا علیہ کے اس اصل کی نفی ہو جاتی ہے۔ کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت مل سکتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہے۔ کہ حضرت عمر کو نبوت عطا ہو جاتی۔ کیونکہ وہ نہ صرف کامل متبعین میں سے تھے بلکہ حضور کے خاص مورد الطاف تھے۔ اور جیسا کہ حضور کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے حضور یہ چاہتے تھے۔ کہ وہ نبی ہوں۔ لیکن چونکہ آپ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ اسلئے آپنے فرمایا کہ حضرت عمر نبی نہیں ہو سکتے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اس حدیث کو کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا۔ تو عمر ہوتے۔ ضعیف کہا گیا ہے۔ اور پھر اس ضمن میں لفظ بعد کے بحث سے تاویلی معنے کئے گئے ہیں اور شاید اس لئے کہ یہ حدیث مدعا علیہ کے منشاء کے بالکل مخالف تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے مبہم نہیں کہ ان کے مفہوم کے لئے کسی تاویل کیضرورت ہو۔ ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہاں بعد سے کیا مراد ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مدعیہ کیطرف سے جو حدیث بیت النبوت والی پیش کیگئی ہے۔ جسکے متعلق مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے اس میں من قبلی کے الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مثال ان انبیا کی نسبت سے ہے۔ جو حضور سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ آئندہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنیکا اسمیں ذکر نہیں لیکن یہ حجت اس لئے درست نہیں۔ کہ اس حدیث میں نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دیگئی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آپ کے وجود باجود سے قبل غیر مکمل تھا۔ آپکے تشریف لانے پر مکمل ہو گیا۔ اگر آئندہ انبیاء کا سلسلہ جاری رہنا تسلیم کیا جاوے۔ تو پھر اس گھر کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ سمجھانے کیلئے کہ اب سلسلہ انبیاء میں سے اور کوئی باقی نہیں۔ نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دیگئی۔ اور جیسا کہ گھر کی چنائی اینٹوں سے کیجاتی ہے۔ اس بیت نبوت کی چنائی انبیاء سے ہوئی۔ اور جو ایک اینٹ اس گھر کی تکمیل کو ناقص بنائے ہوئے تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے پر پوری ہوگئی۔ اس مثال میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں جو تعداد انبیاء مقرر تھی۔ وہ آپکے تشریف لانے سے پوری

ہو چکی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ انبیاء کی تعداد میں اب کوئی عدد باقی نہیں رہا۔ اس نے سابقہ اعداد میں سے ایک کو واپس لانا پڑا ہے۔ اس پر مدعا علیہ کیطرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تسلیم کیا جاوے۔ تو پھر یہ ماننا پڑیگا۔ کہ مکان کی تعمیر ادھوری رہ گئی۔ لیکن یہ حجت اسلئے قائم نہیں رہ سکتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مکان کی تعمیر میں پہلے شامل ہو کر اسے مکمل کر چکے ہیں۔ اور نئے نبی اگر بھی اور آنے باقی ہوں۔ تو پھر اس عمارت کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس کی تکمیل اسوقت سمجھی جائیگی۔ جب تمام انبیاء ختم ہو چکیں۔ اسلئے اسے اسوقت میں مکمل سمجھا جائیگا۔ جبکہ تمام انبیاء کا سلسلہ ختم ہوئے حضور کا اس عمارت کو اپنی تشریف آوری سے مکمل فرما دینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپکے بعد تعداد انبیاء میں سے اور کچھ باقی نہیں۔ حضرت عیسیٰ کا آنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے تکمیل شدہ مکان میں سے کچھ اینٹیں اکھاڑ کر بشرط ضرورت دوسری جگہ لگا دے۔ اس پر یہ کہا جائیگا کہ اس نے اپنے مکان کو اکھیڑا۔ یہ نہ کہا جائیگا۔ کہ اس نے مکان کو مکمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تکمیل پہلے ہو چکی تھی۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا نبی ہونا اس مکان کی تعمیر کا منافی نہیں کیونکہ انہیں حضور کے فیض سے نبوت ملی ہے۔ اسلئے یہ نبوت اس مکان بیت النبوت کی تکمیل کا سلسلہ شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی مکمل چیز پر اگر کوئی اور زائد چیز بطور اضافہ شامل کیجاوے۔ تو اس سے دو ہی صورتیں پیدا ہونگی۔ یا تو وہ زائد چیز اس کی زینت کو بڑھا دیگی۔ یا اُسے بدزیب کر دیگی۔ اب اگر مرزا صاحب کو بیت النبوۃ پر چسپاں کیا جاوے۔ تو وہ یا تو اُس کی زینت کو بڑھائیں گے یا اُسے بدزیب کریں گے۔ اگر کہا جاوے کہ اُن سے اس کی زینت بڑھیگی۔ تو اس سے وہ افضل الانبیاء ہو جائینگے۔ نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہ بات ان کے اپنے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ اب صاف ہے۔ کہ ان کے اس بیت النبوۃ پر چسپاں ہونے سے دوسری ہی صورت پیدا ہوگی۔ اور اس گھر کی تکمیل میں وہ زائد از ضرورت ہی رہینگے۔ اس لیے اس حدیث سے جسکی صحت سے مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری نبی ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

مدعیہ کیطرف سے ایک اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے انہیں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی خیال کریگا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپ کے بعد قیامت تک جو بھی دعوائے نبوت کرے۔ وہ ضرور جھوٹا ہے۔ کیونکہ آخر زمانہ میں آنیوالے مسیح موعود کو خود حضور نے بھی نبی اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ دوسرے تیس کی تعین بھی بتلا رہی ہے کہ کوئی سچا بھی استثنائی ہے۔ تیسرا اس حدیث کا مضمون آج سے تقریباً پانچسو برس پہلے پورا ہو چکا ہے کیونکہ ۳۰ دجال و کذاب گذر چکے ہیں۔ اس کا جواب ایک تو خود گواہ مدعا علیہ نے ہی دیدیا ہے۔ کہ اسکے علاوہ دیگر حدیثیں ہیں کہ جس میں کذابوں کی تعداد کم و بیش ۷۰ تک بیان کی گئی ہے۔ اس لئے سمجھا جائیگا کہ حضور نے ۳۰ کی کوئی متعین تعداد بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ اس قسم کے اعداد بیان کرنے سے حضور کی مراد کذابوں کی کثرت بیان کرنی تھی۔ کیونکہ اگر مدعا علیہ کی بحث کی رُو سے یہ قرار دیا جاوے۔ کہ ایسے کذابوں کی صحیح تعداد ۳۰ ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جو تیس کذاب اس سے قبل گذرنے بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین ضرور سچے ہوں گے۔ لیکن ایسا ثابت نہیں ہوتا۔ اور ان باقیماندہ تین کو بھی دُنیا نے جھوٹا ہی سمجھا۔ اور انہیں بھی کذابوں کی ذیل میں داخل کیا گیا دوسرا مسیح موعود کے آنے کی استثناء خود حضور نے فرمادی اور ساتھ ہی اس کا نام عیسیٰ ابن مریم بتلا کر اُسے نام سے ہی مشخص فرما دیا۔ علاوہ ازیں اگر سچے نبی ہو سکتے تھے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ جہاں حضور نے جھوٹے نبیوں کی آمد اور ان کی تعداد کی اطلاع دی تھی۔ وہاں اس امر کی تصریح کیوں نہ فرمائی۔ کہ اس کے بعد سچے نبی بھی آئینگے اور اسقدر آئیں گے۔ نا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اُمت کو ایک گمراہی سے بچا کر دوسری گمراہی میں ڈالدیا جاتا۔ اور انہیں جھوٹے اور سچے نبی میں تمیز کرنے کیلئے کوئی معیار نہ بتلایا جاتا۔ اس لئے یہ حدیث بھی بحیثیت ادعا مدعیہ اور مدعا علیہ کی حجت کے منافی ہے۔

لہٰذا اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے

بعد اب کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ کاذب مدعیان نبوۃ کے جو حوالے مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے۔ کہ انہیں اس بناء پر قتل کیا گیا۔ کہ انہوں نے دعوے نبوت کیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کیساتھ صحابہ کا جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا۔ کہ انہوں نے بغاوت کی تھی۔ اور اسلامی حکومت کا مقابلہ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتے تھے۔ اور نبوت کے دعوے کو اس کے حصول کیلئے انہوں نے صرف ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اگر مدعا علیہ کا یہ ادعا درست بھی سمجھ لیا جاوے۔

تو چونکہ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے دعوے نبوت کو حصول حکومت کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے۔ کہ جس بناء پر وہ اپنے آپ کو حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ صحابہ نے اُسے بھی نادرست سمجھا تھا۔ اگر صحابہ کے ذہن میں یہ ہوتا کہ حضور کے بعد نبوت ہو سکتی ہے۔ تو وہ ان کی نبوت کے متعلق پورا اطمینان کرتے۔ اور اس کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنیکا فیصلہ کرتے۔ خلافت ارضی جلیل القدر انبیاء کی نبوت کا ایک جزو لاینفک رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مدعیان نبوت خلافت ارضی کو لوازمات نبوت میں سے سمجھتے ہوئے دعوے نبوت کے جو اس کے لئے کوشاں ہوئے ہوں۔ تو اس صورت میں صحابہ کا ان کیساتھ جنگ کرنا دعوے نبوت کی بناء پر متصور ہوگا۔ نہ کہ بغاوت کی بناء پر کیونکہ انہیں باغی مرتد اور کافر قرار دیا جا کر سمجھا گیا۔

اس سلسلہ میں مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مدعا علیہ نے اپنی بحث میں آگے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب ظلی اور بروزی کی اصطلاحات یہ دکھانے کے لئے قائم کی ہیں کہ جس قسم کی نبوۃ کے وہ مدعی ہیں۔ وہ شریعت والی نبوت نہیں اور نہ اس سے قرآن مجید کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے بلکہ آپ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ ان کو بلاواسطہ نبوت نہیں ملی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے اتباع اور آپ میں فنا ہو کر اور آپ کی غلامی میں یہ مرتبہ نبوت ملا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنے آپ کو ظلی نبی

Scanned with CamScanner

لکھا تاکہ آئندہ لوگ نبی کا لفظ سن کر چونک نہ پڑیں۔ اور اس ظلی بروزی کے لفظ سے سمجھ لیں کہ آپ ویسے نبی نہیں جو معروف اصطلاح میں لئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہر ایک کمال آپ کو آنحضرت صلعم کے اتباع اور ذریعہ سے ملا ہے آپ نے صرف نبی نبوت کی حقیقت سمجھانے کیلئے ظلی۔ بروزی اور امتی نبی کی اصطلاحیں مقرر کیں تاکہ لوگ نبی کے لفظ سے دھوکا نہ کھا جائیں اور اصطلاحوں کا قائم کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ بروز وغیرہ کے الفاظ صوفیاء نے بھی قائم کئے ہیں۔ مرزا صاحب تناسخ کے اس معنی میں جس معنی میں کہ اہل ہنود سمجھتے ہیں قائل نہ تھے ان کے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو طبیعت اور مشابہت کے لحاظ سے ...... عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا۔ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت کی پیدائش حضرت ابراہیم ہی کی پیدائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے تریاق القلوب صفحہ ۱۵۵ پر وجود دورویہ کی تفسیر خود ہی بیان کی ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کا رد مرزا صاحب نے اپنی بہت سی کتابوں میں کیا ہے۔ مہدی موعود کی بروزی نبوت کے متعلق مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے جو اعتراض کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اس حوالے کے آگے کی عبارت نہیں پڑھی۔ اس میں خاتم الاولاد کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے خاتمہ کے بعد نسل انسانی کوئی کامل فرزند پیدا نہیں کرے گی۔ باستثناء ان فرزندوں کے جو اس کی حیات میں ہوں۔

سوائے ظلی اور بروزی اصطلاحات کے باقی تمام بحث فروعی امور کے متعلق ہے۔ جن کا امر بالنزاع پر چنداں کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اس کے جواب میں اگر مدعیہ کی بحث کو جو اوپر بیان کی جا چکی ہے دیکھا جاوے تو اس سے یہ نتیجہ درست طور پر برآمد ہوتا ہے کہ ظلی اور بروزی اور امتی وغیرہ کی اصطلاحات محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ دراصل مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی نبوت کے متعلق ہی تھا جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی کی تحریر میں جسکا حوالہ اوپر گذر چکا۔ کی گئی ہے۔ خلیفہ صاحب کی اس تحریر کے متعلق مدعا علیہ نے ان کی ایک اور

تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثال کے طور پر لکھا تھا کہ اگر حقیقی نبی کے یہ معنے کئے جاویں کہ وہ بناوٹی یا نقلی نبی نہ ہو۔ تو ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود کو میں حقیقی نبی مانتا ہوں یعنی صادق اور منجانب اللہ اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وہ تحریر جسکا حوالہ مدعیہ کیطرف سے دیا گیا ہے رد نہیں ہوتی۔ وہ تحریر بذاتہ ایسی ہے کہ جس سے خود ایک مستقل مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے مرزا صاحب کے حقیقی نبی ہونیکا ثبوت دینے کی بھی آمادگی ظاہر کی ہے اور پھر ساتھ ہی یہ کہا کہ انہوں نے ظلی بروزی کے الفاظ محض بطور انکسار کے استعمال کئے ہیں۔ اور کہ اس قسم کی فروتنی نبیوں کی شان میں مخل ہے کہ ان الفاظ کی مدعا علیہ کیطرف سے کوئی تردید نہیں کی گئی ہے اور نہ انکی کوئی تردید ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے مجھے آنحضرت صلعم کا وجود ہی قرار دیا۔ اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروزات کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے جن اقوال کا حوالہ گواہان مدعیہ کے بیانات میں دیا گیا ہے اور ان سے جو تناسخ انہوں نے برآمد کئے ہیں۔ اور جو ان کی بحث میں اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان سے واقعی یہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب اپنے ان اقوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس قسم کا جنم مراد لیتے ہیں کہ جو بطریق تناسخ سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خو۔ طبیعت اور دیگر خصائل کے ودیعت ہونے سے۔ ان سوالات پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی تکفیر سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اس مقدمہ میں ضمنی سوال ہے اس لئے ان کے ایسے عقائد پر کہ جن پر مقدمہ ہذا کے تصفیہ کا زیادہ دارومدار نہیں ہے تفصیلی بحث بلا ضرورت ہے۔

ذیل میں مدعا علیہ کیطرف سے مدعیہ کے ان اعتراضات کا جواب درج کیا جاتا ہے جو مرزا صاحب کے دعوے نبوت تشریعیہ کے متعلق عائد کئے گئے ہیں۔

اس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں اپنے لئے رسول کا لفظ لکھا ہے وہاں انہوں نے اس لفظ کیساتھ کسی جگہ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے بجز قرآن مجید اور کوئی کتاب نہیں دعوے نبوت کے متعلق

انہوں نے صاف کہا ہے۔ کہ میں ان معنوں سے نبی ہوں۔ کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اور جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا۔ وہاں آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔ مگر اسطرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔

جہاں مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی وحی پر اسطرح ایمان لاتے ہیں جسطرح کہ قرآن اور دوسری وحیوں پر۔ اس سے ان کا صاحب شریعت نبی ہونیکا دعوٰے اخذ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کے اقوال سے یہ مراد ہے۔ کہ آپ اپنی وحی کو منجانب خدا اور اس کے دخل شیطانی اور خطاء سے پاک و منزہ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کا وہ اظہار کر رہے ہیں۔ اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صاحب شریعت ہونیکے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میری وحی شرعی اور قرآن کی نقل ہے۔ مرزا صاحب کا اپنی وحی کو مدار نجات ٹھیرانا بھی ان کا مدعی نبوت تشریعیہ ہونا ثابت نہیں کرتا کیونکہ ان کی جو وحی اور تعلیم ہے وہی تعلیم ہے۔ جو عین قرآن مجید اور اسلام کی ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اب قرآن مجید کی اس تعلیم پر کاربند ہو کر وہی نجات پا سکتا ہے۔ جو آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو دوسرا نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وحی میں کوئی نئی شریعت ہے یا میری وحی ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ شریعت محمدیہ کے ہی بعض ضروری احکام کی تجدید ہے۔ قرآن مجید کی بیسیوں آیتیں دوبارہ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ پر نازل ہوئیں۔ اسیطرح مرزا صاحب پر قرآن مجید کے بہت سے اوامر و نواہی نازل ہوئے اور انہی کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔

مرزا صاحب کے قول عہ مذکورہ بالا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اولیاء امت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اوامر و نواہی کا بطور تجدید کے کسی بزرگ پر نازل ہو جانا جائز ہے

صرف ایسے امر و نواہی کا جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی پیروی کا نتیجہ نہ ہوں۔ اترنا ممنوع ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے محض شریعت کا لفظ صرف مخالفین کے مقابل پر بطور الزام استعمال کیا ہے۔ اور فرضی طور پر معترضین کو ملزم کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ عذر بھی مخالفین کا باطل ہے۔ کیونکہ شریعت اوامر و نواہی کا نام ہے اور میرے الہامات میں امر اور نہی دونو موجود ہیں۔

قول ۱۲ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس سے جو مرزا صاحب کے صاحب شریعت نبی ہونیکا استدلال کیا گیا ہے۔ وہ درست نہیں کیونکہ اس جگہ انہوں نے صرف صاحب شریعت نبی محدث اور ملہم کے انکار کا حکم بیان کیا ہے۔ اور دوسرے انبیاء جو شریعت یا احکام جدیدہ نہیں لائے۔ ان کا حکم اس عبارت میں مذکور نہیں۔ اس سے گواہان مدعیہ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ مرزا صاحب کی دوسری تحریروں کے مخالف ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الہیہ ہے۔ اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسوجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افترا کرنیوالا سب کافروں سے بڑھکر کافر ہے۔ پس جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افترا کیا تو اس صورت میں میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔

مرزا صاحب کے مدعی صاحب شریعت ہونیکی بابت مدعیہ کیطرف سے جو ان کے ماہواری چندہ دیے جانیکے حکم کا حوالہ دیا جا کر بحث کیگئی ہے۔ اس کے متعلق مدعاعلیہ کا یہ جواب ہے کہ وہ کوئی نیا حکم نہیں۔ اور نہ اس میں تعمیل نہ کرنیوالے کے متعلق کافر۔ مرتد یا ملعون وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں بلکہ یہ حکم قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید

میں اللہ تعالے نے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اس قرآنی تعلیم کے ماتحت فرمایا۔ کہ ایسا شخص جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ اور باوجود مقدرت کے ۳ ماہ تک اس ربانی حکم سے غافل رہتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اس کا سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ زکوۃ نہ دینے والے کے متعلق ایسا حکم نہیں ہے درست نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ اگر انہوں نے ایک معمولی رسی بھی جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے اور جسے وہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں ادا کرتے تھے روکی تو میں ان سے قتال کروں گا۔ دیکھئے کہ زکوۃ میں سے کچھ حصہ ادا نہ کرنے پر کتنی سخت سزا مقرر کی گئی۔ ان دلائل کے زیادہ تفصیلی جوابات دینے کی فرصت نہیں۔ انکو اگر گواہان مدعیہ کی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں دیکھا جائیگا۔ تو ان کا ابطال خود بخود ہی ثابت ہو جائیگا۔ تاہم ان کے مختصر جوابات درج کئے جاتے ہیں۔ رسول کی تعریف خود گواہ مدعا علیہ نے یہ کی ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ اور نبی عام ہوتا ہے۔ چاہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ اب مرزا صاحب کے اپنے آپ کو رسول کہنے سے یہی مراد لیجائیگی کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں۔ علاوہ ازیں جو وحی کہ دخل شیطانی سے منزہ قرار دیجاوے تو وہ منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے اسیطرح قطعی ہوگی۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کی وحی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی وحی کو جمع کیا جاوے تو وہ کئی جز میں بنجائے۔ اب اس قسم کی وحی اگر کتابی صورت میں نہ بھی لائیجائے تو بھی کتاب اللہ کہلائیگی۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالے کیطرف سے اوامر و نواہی بیان کئے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی ایسی وحی جس میں شریعت محمدیہ کے اوامر و نواہی کی تجدید ہے بہت تھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی جو دیگر وحی ہے اس کی تعلیمات کے لحاظ سے اس پر بھی اسیطرح ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر اور وہ بھی شریعت کا جزو تصور ہوگی۔ اس لئے اگر مرزا صاحب نے رسول کے لفظ کیساتھ شریعت کا

لفظ استعمال نہیں کیا تو بھی ان کی تصریحات سے یہی سمجھا جائیگا۔ کہ وہ صاحب شریعت رسول ہیں چاہے وہ صاف الفاظ میں یہ کہیں یا نہ کہیں۔ ان کے دیگر اقوال سے نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے۔ جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اپنی نبوت کی تشریح کی ہے یا یہ کہا ہے کہ وہ جدید شریعت نہیں لائے۔ ان اقوال کا کہ جن سے مذکورہ بالا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ رد نہیں بن سکتے کیونکہ جیسا کہ شروع بحث میں دکھلایا گیا۔ جو اقوال کہ اپنے اندر مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں ان کے مطالب وہی سمجھے جائیں گے جو ان اقوال کی اپنی طرز بیان سے اخذ ہوتے ہیں اور تاوقتیکہ اس بات کی صراحت نہ ہو کہ وہ اقوال واپس لئے جاچکے ہیں۔ دیگر اقوال نہ ان کے قائم مقام بن سکتے ہیں اور نہ انکی تشریح

مرزا صاحب چاہے یہ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کی وحی شرعی اور قرآن کی مثل ہے وہ جب اُسے دخل شیطانی سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں پر حجت قرار دیکر اُسے مدار نجات ٹھیراتے ہیں۔ اور اپنے نہ ماننے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں اور بقول گواہ مدعاعلیہ آپ آئندہ کیلئے مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونا بھی ضروری ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ انکی وحی شرعی نہیں۔ خصوصاً جبکہ صاحب شریعت کی تعریف بھی خود مرزا صاحب یہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ اور پھر آگے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ امر و نواہی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رُو سے صاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی وحی کو شرعی وحی سمجھتے ہیں اور جب وہ شرعی وحی ہوئی تو اس پر ایمان لانا اسیطرح واجب ہوا جیسا کہ قرآن مجید پر۔ یہ درست ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا نزول دیگر اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کو اپنے اوپر چسپاں نہیں کیا۔ اور نہ ان کو دوسروں پر بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس لئے دیگر اولیاء اللہ کی مثال مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش نہیں کیجاسکتی۔

Scanned with CamScanner

قول ۲ میں صاحبِ شریعت کے الفاظ مرزا صاحب کی طرف سے فرضی طور پر استعمال نہیں کئے گئے۔ جیسا کہ مدعا علیہ کا ادعا ہے۔ بلکہ بڑی شدومد سے صاحبِ شریعت کی تعریف کیجا کر اپنا صاحبِ شریعت ہونا دکھلایا گیا ہے۔ اس قول کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں صاحبِ شریعت کے الفاظ فرضی ہیں یا اصلی۔ اس قول کی مزید تائید پھر قول ۱۲ سے ہوتی ہے۔ اس قول کے لئے مرزا صاحب کے دیگر اقوال کے متناقض ہونیکو خود گواہ مدعا علیہ نے بھی مانا ہے۔ اور مرزا صاحب کے دیگر اقوال سے اس تناقض کو رفع کرنیکی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ قول بذاتہٖ کسی شرح کا محتاج نہیں۔ وہ اپنا مفہوم آپ ہی بیان کر رہا ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے اپنی عظمت اور شان دکھلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ اور اپنے دعوے کے انکار کرنے والوں کو وہ اس بناء پر کافر کہتے ہیں یہ اُن کی طرف سے ایک دوسری توجیہ ہے۔ کہ وہ اُس شخص کو جو انہیں نہیں مانتا اس بناء پر کافر کہتے ہیں کہ وہ انہیں مفتری سمجھتا ہے۔ اور چونکہ وہ مفتری نہیں ہیں اس لئے وہ کفر اس پر اُلٹتا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو ماہواری چندہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اُنکی طرف سے جو فرمان شائع ہوا ہے اور جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ حکم اللہ تعالےٰ سے مطلع ہو کر دیا ہے۔ گویا یہ حکم دراصل ان کا حکم نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے چنانچہ گواہ مدعا علیہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ یہ ایک ربانی حکم ہے۔ اور اس ربانی حکم کی تعمیل نہ کرنیوالے کو مرزا صاحب نے منافق کہا ہے۔ اب اگر مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ وہ مرتد اور ملعون ہے تو اس سے اُن کے اس حکم کے نتیجہ پر کہ وہ منافق ہے۔ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ منافق کو خداوند تعالےٰ نے کافروں کی ذیل میں شامل کیا ہے۔ بلکہ بہت بڑا کافر کہا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ سوائے اُنکے گروہ کے مرتد اور

ملعون سمجھا جانے اور کہا جائیگا۔ کیونکہ اس کا بیعت سے خارج ہو جانا بھی بمنزلہ ارتداد اگر مرزا صاحب کے باوجود اسے منافق کہنے اور بیعت سے خارج کرنے کے گو وہ مدعا علیہ کے نزدیک پھر بھی وہ مسلمان رہتا ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو نبی اللہ نہیں مانتا۔ کیونکہ نبی کے حکم کی تعمیل عین خدا کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور اس کی ناراضگی موجب غضب الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت مرزا صاحب نے بھی اپنے مرتبے کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا۔ اور اپنی طاقت کیساتھ خدا کی طاقت کو بھی شامل کرنے کے باوجود قاصر کو صرف یہی سزا دیسکتے ہیں۔ کہ اسے سلسلہ بیعت سے خارج کر دیا جائیگا۔ حالانکہ خدا نے نبی کی وہ شان بتائی ہے کہ اس کے حکم کی عدم تعمیل تو بجائے خود اس کے آگے اونچا بولنے سے بھی تمام اعمال کے ضائع ہو جانیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور عدم تعمیل احکام تو دین و دنیا میں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کیطرف سے یہ درست کہا گیا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے متعلق بھی اس قسم کا کوئی شرعی حکم نہیں۔ جس حکم کا حوالہ گواہ مدعا علیہ نے دیا ہے وہ رسول اللہ صلعم کے خلیفہ اول کا ہے نہ کہ خدا اور اس کے رسول کا۔ گواہ مدعا علیہ کا اس بارہ میں مرزا صاحب کا حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مقابلہ کرنا مرزا صاحب کے مرتبہ کی اور بھی تنقیص ظاہر کرتا ہے۔ ایکطرف تو وہ انہیں نبی مانتا ہے۔ اور پھر انکے احکام کے مقابلہ میں ایک غیر نبی کے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے مرزا صاحب کو باوجود نبی ماننے کے انکی کیا شان سمجھ رکھی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا حکم زکوٰۃ پر مستزاد ہونیکی وجہ سے ایک نیا حکم ہے اور اس بنا پر مرزا صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے بھی شرعی نبی ہوئے۔ پھر حکم انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب نہیں بلکہ اللہ تعالے کے حکم کی تعمیل میں نافذ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور خود مدعا علیہ کیطرف سے اسے ایک ربانی حکم ہونا مانا گیا ہے۔ اور پھر اس کی سزا بھی محض دنیاوی مقرر نہیں بلکہ قاصر کو منافق قرار دیا جا کر اور مرتد بتایا جا کر اسے عذاب آخرت کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ تو اس حالت میں کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں۔ بلکہ محض انفاق فی سبیل اللہ میں ایک ترغیب ہے۔ اگر نبیوں کے احکام کی اس طرح تعبیر کیجانی لگے۔ تو پھر

نبی اور رسولوں کے احکام تو بجائے خود احکام خداوندی کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ اور نبوت کا تمام سلسلہ ہی ایک بے معنی سی چیز دکھائی دینے لگتا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کی ان تحریرات سے جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے یہ نتیجہ درست طور اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ صاحب شریعت نبی ہونیکے بھی دعویدار ہیں۔ گو بعد میں انہوں نے اپنے اس دعوے میں کامیاب نہ ہونیکی صورت دیکھکر اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ اور اپنے ان اقوال کی بناء پر ان کے صاحب شریعت نبی ہونیکے نتائج اخذ کرتے مختلف توجیہیں شروع کر دیں۔

اس کے بعد مدعا علیہ کیطرف سے مرزا صاحب کے قیامت۔ نفخ صور۔ اور حشر اجساد وغیرہ اعتقادات کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کیطرف سے ان عقائد کی نسبت جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں وہ درست نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان عقائد کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے درست ہے۔ ان عقائد کے متعلق زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ کہدینا کافی ہے۔ کہ اگر مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہ کیا جاوے تو پھر ان عقائد کے متعلق ان کی رائے ایک ذاتی رائے تصور ہوگی۔ اور اس سے اختلاف کیا جانا ممکن ہوگا۔ اور اگر انہیں نبی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ان کی رائے تعلیم وحی کا نتیجہ شمار ہو کر قابل پابندی ہوگی۔ اور اس صورت میں اس سے قطعاً اختلاف نہیں ہو سکیگا۔ بلکہ اختلاف کرنیوالا عاصی سمجھا جاویگا۔ انکے نبی ہونے کیصورت میں ان کے یہ عقائد امت کے خلاف ہونیکی وجہ سے تحقیق طلب ہوں گے۔ اور ممکن ہے کہ اس صورت میں ان کے خلاف فتوے کیصورت بھی بدل جائے۔ مگر ان کے مدعی نبوت ہونیکی حالت میں ان کے یہ عقائد جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہونیکے باعث وجوہات تکفیر میں مزید اضافہ کا سبب بن سکیں گے۔

اب ذیل میں توہین انبیاء کے سلسلہ میں مدعیہ کیطرف سے پیش کردہ دلائل کا جو

Scanned with CamScanner

جواب مدعا علیہ کیطرف سے دیا گیا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو جن لوگوں سے مشابہت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں بھی اس پاک گروہ کا ایک فرد ہوں۔ پھر کیونکر اُن کی توہین کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ توہین اس کی اپنی توہین ہوگی۔

اصول کے لحاظ سے تو یہ بات درست ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ مرزا صاحب کے اقوال سے ہوتا ہے۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں اس کی مفصل بحث پائی جاتی ہے اسلئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جن اشعار کو باعث توہین قرار دیا گیا ہے۔ اُس سے کوئی توہین پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا صاحب کی اِن اشعار سے مُراد یہ ہے کہ جو جام عرفان الٰہی اور ایقان ہر نبی کو دیا گیا تھا۔ اور خُداوند تعالےٰ نے وہ پُورے کا پُورا مجھے بھی دیا ہے۔ اور کہ میں اپنی معرفت اور عرفان الٰہی میں اور اپنے یقین میں کسی نبی اور رسول سے کم نہیں ہوں۔ اور یہ کمال جو مجھے حاصل ہوا ہے وہ آنحضرت صلعم کے اتباع سے بطریق وراثت ملا ہے۔

مرزا صاحب پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بھی توہین کی ہے۔ بلکہ آپ کی کتب آنحضرت صلعم کی تعریف سے پُر ہیں۔ جن آیات قرآنیہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اُوپر چسپاں کی ہیں۔ ان کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس طائفہ اہلحدیث نے یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ اِن آیات کا مورد نزول و مخاطب وہ ہیں۔ بلکہ ان کو کامل یقین اور صاف اقرار ہے۔ کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مُراد وہی انبیاء ہیں جن کی طرف ان میں خطاب ہے اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں۔ جنکو خُداوند تعالےٰ نے ان کمال کا محل ٹھیرایا ہے۔

لیکن یہ جواب اس وقت کے متعلق ہے۔ جبتک کہ مرزا صاحب نے دعوے نبوت نہیں کیا تھا۔ مدعا علیہ کیطرف سے کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب پر یہ الزام بھی غلط لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے عین محمد ہونیکا دعوے کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں صاف طور کہا ہے۔ کہ میں ان کا خادم ہوں۔ اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ میں ان کا ظل ہوں۔ اور وہ اصل ہیں۔ میں آپ کی خدمت اور آپ کی شاگردی اور آپ کے اتباع میں اسقدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ اور بزرگان دین نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کامل متبع بسبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں۔ کہ تابع اور متبوع یعنے نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اول آخر ہونیکے مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میں عین محمد ہوں۔ بلکہ بروزی طور پر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا۔ کہ جو خلق۔ ہمت۔ ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا۔ اور ظاہری طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا۔ تا یہ سمجھا جاوے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت صلعم کا ظہور تھا۔ لیکن صوفیا نے اس مقام کو عینیت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس پر بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس استدلال کو مدعیہ کے پیش کردہ استدلال کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اس شعر سے کہ لہ خسف القمر المنیر وان لی سے آنحضرت کی توہین نہیں نکلتی کیونکہ اگر مرزا صاحب کے لئے چاند اور سورج کا گرہن نشان ہوا۔ تو وہ اس لئے کہ احادیث کی کتب میں سچے مہدی کی علامات میں سے قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت صلعم کیطرف منسوب ہوگا۔ مگر مدعیہ کا استدلال یہ نہیں کہ مرزا صاحب نے چاند گرہن کے نشان کو اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ بلکہ اس کیطرف سے توہین کا موجب یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس شعر میں رسول اللہ صلعم کے معجزہ شق القمر کا استخفاف کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے معجزات کے متعلق مدعی کیطرف سے مرزا صاحب کے جن اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے اُس کا مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے دوسری کتاب میں جہاں آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات بتلائے ہیں۔ وہاں اپنی پیشگوئیاں سو کے قریب لکھی ہیں۔ اور آپ نے اپنے دس لاکھ ایسے نشانات بتلائے ہیں کہ اگر ویسے نشانات آنحضرت صلعم کے شمار کئے جاویں تو دس ارب سے بھی زیادہ ہوں۔

مدعیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ معجزہ خرق عادات ہوتا ہے اور مرزا صاحب نے اپنے نشانات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اول درجہ کے خرق عادت ہیں۔ اس لئے ان نشانات کو بھی معجزات ہی شمار کیا جائیگا۔ ہر دو فریق کے دلائل اس بارہ میں مسل پر موجود ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صداقت کس میں ہے۔ میں ان سوالات پر اس لئے بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی ذات کے متعلق ہیں اور امر مابہ النزاع سے ان کا بہت تھوڑا تعلق پایا جاتا ہے۔ اسیطرح مدعا علیہ کا یہ ادعا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت آدم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں کی۔ اس کے بعد پھر اس کیطرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے سلسلہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے وہ آنحضرت صلعم کے متبع اور امتی ہونیکی وجہ سے کی ہے۔ اور علماء خود مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ نے بھی یہ خواہش کی تھی۔ کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ہوں۔ اور دوسرے شعراء اور صوفیا کے اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی رسول اللہ صلعم کے متبع ہونیکے باعث حضرت عیسیٰ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتے آئے ہیں۔ علماء نے توہین نہیں سمجھا اور اس ضمن میں شیخ محمود الحسن صاحب کے چند اشعار جو انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھے ہیں درج کئے جا کر یہ بحث کی گئی ہے۔ کہ ان اشعار سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی۔ تو پھر مرزا صاحب کے اشعار سے کیونکر توہین مانی جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گراہ ریتہ نے یہ دیا ہے کہ جو مدحیہ اشعار ہوں۔ وہ تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشر کی کلام میں اکثر کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ کی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہو گی۔ تو وہ مقید ہو گا اور وہ تحقیق ہو گی۔ اور وہ کسی طرح اکمل ہو گی حقیقت حال ہو گی۔ نہ کم نہ بیش بشر اجمالی حقیقت کو نہیں پہنچتا تخمینی لفظ کہتا ہے۔ اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ شاعرانہ نوع تعبیر عام اطلاق الفاظ نہیں۔ اور وہ تخمینہ پر عبارت کہدیتے ہیں جو اس پاس ہوتی ہے ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی۔ اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اسکا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

نبی اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ نبی کوشش کرتا ہے۔ کہ میری کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلا یہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ وہ خود سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو دوسرے وقت وہ اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ اور ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک قسم ہے کلام کی۔ جو فنون علمیہ میں درج ہے۔ اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو اور نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہی نبوت کے باب میں۔ اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے تو وہ اور جہاں کا ہے اور حضرت شاعر اور جہاں میں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب نے شاعری کا شیوہ کس طرح اختیار فرمایا۔ اور کیوں انہیں اس معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات علیہ سے بطور ظل کے حصہ نہ ملا۔ کیونکہ حضور کے متعلق قرآن مجید کی سورہ یٰسین میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وما علمنٰہ

الشعر وما ینبغی له۔ اور سورۃ شعرا میں شعرا کی مذمت کیجا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ الم تر انھم . . . یفعلون۔ اس حکم کے تحت میں تو مرزا صاحب کے نہ صرف وہ اقوال جو اشتہار میں درج ہیں۔ بلکہ کوئی قول بھی معتبر نہیں رہتا۔

مدعیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو مسمریزم کی قسم سے کہا ہے۔ مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی احیاء اور اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ہاں اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کیطرح حقیقی طور پر کسی مردہ کو زندہ کیا۔ یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مُردہ زندہ کرنے یا پرندے پیدا کرنے کو تسلیم کیا جاوے۔ تو اس سے خدا تعالےٰ کی خلق اور اُسکا احیاء مشتبہ ہو جائیگا اور عمل ترب کے متعلق وہ اپنے ایک الہام کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ وہ عمل الترب ہے۔ جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔ آپ نے اس عمل کو اپنے لئے اسلئے پسند نہ کیا کہ اس علمی زمانہ میں ایسے معجزات دکھلانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور حضرت مسیح کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کیوجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے۔ باذن و حکم الٰہی اختیار کیا تھا۔ ورنہ انہیں بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔

اس جواب کے متعلق بھی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہر دو فریق کیطرف سے اس بارہ میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ اس سے ہر دو کے دلائل کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو دیگر اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ سے پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ انہیں بہت ہی سب و شتم درج ہے۔ ان کی بابت مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں

Scanned with CamScanner

نہیں الزامی جواب دیے گئے ہیں اور فن مناظرہ میں اس قسم کی روش عام طور پر اختیار کی جاتی ہے۔ اور اس کی تائید میں مدعا علیہ کی طرف سے دیگر علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے ان اقوال کو اگر سیاق و سباق عبارت سے ملا کر دیکھا جائے تو مدعا علیہ کا یہ جواب حقیقت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان دشنام آمیز الفاظ کو سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے اپنے شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے۔ بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے۔ اور اُسے حق کہا ہے۔ اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دی ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔

میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے۔ اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے۔ بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اُسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا۔ اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا۔ وہ اُسے وجہ ارتداد سمجھتے ہیں۔ اور اس ضمن میں انہوں نے مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال درج کیے ہیں۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ اور کہا ہے کہ اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ کیونکہ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں شاہ صاحب کی یہ رائے عین حق شناسی پر مبنی ہے اور جن اقوال سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا نتیجہ نکالا ہے۔ ان سے واقعی ان کی توہین اخذ ہوتی ہے۔ باقی رہا

کسی نبی کا دوسرے نبی سے افضل ہونیکا سوال اس کے متعلق شاہ صاحب کے بیان کے حوالے سے اوپر جواب دیا جا چکا ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر بیان کردہ گواہان مدعیہ کا مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمام اُمت محمدیہ مشرک ہے۔ بلکہ جس عبارت کا حوالہ گواہان مدعیہ کیطرف سے دیا جا کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے۔ کہ پہلے مسلمانوں سے یہ قول غلطی سے صادر ہوا ہے اور وہ لوگ خدا کے نزدیک معذور ہیں کیونکہ انہوں نے عمداً غلطی نہیں کی۔ اور انہوں نے حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو مبداء شرک یا منجر الی الشرک قرار دیا ہے۔ اور اس کو شرک عظیم کہنا باعتبار مآل کے ہے۔ اور اس امر کو حق بلاغت میں مجاز مرسل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ حیاتِ عیسیٰ کے مسئلہ پر فریقین کو بحث کرنے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ ان کی جس قسم کی حیات کے تمام مسلمان قائل ہیں۔ وہ ادراک انسانی سے باہر ہے۔ اس لئے اُسے امر واقع کے طور پر ثابت کرنا ایک لاحاصل سعی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے اس ظاہر زندگی کے علاوہ ایک اور قسم کی زندگی بھی ہے جسکو انسانی فہم اور عقل احاطہ نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اس کے ہاں سے انہیں رزق ملتا ہے ملاحظہ ہو۔ آیت **لا تحسبن الذی قُتلوا** .... **من فضلہ** پارہ ۴۔ رکوع ۷ ..... سورہ آل عمران۔ مُدعیہ کیطرف سے یہ بھی کہا گیا کہ مرزا صاحب نے ایک لفظ ذریۃ البغایا استعمال کر کے تمام مسلمانوں کو ولد الزنا قرار دیا ہے۔ اس کا جواب مدعا علیہ کیطرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ذریۃ البغایا کے معنے وہ نہیں جو فریق مخالف نے لئے ہیں۔ کیونکہ ان معنوں کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ظاہر میں اس کے معنے ایک تو یہ ہیں کہ ہدایت سے دُور اور ناشائستہ آدمی۔ جن کی حالت یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر مہریں ہیں وہ انہیں قبول نہ کریں گے یا

یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یہ مذہبی لوگ جو کفر کے فتوے لیکر شہر بشہر پھرتے ہیں۔ یہ لوگ بے ایمان نہیں ہیں گے۔ کیونکہ کفا یا کے معنے ہر اول کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز کفا یا مطلق ورثن کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے وہ فاجر ہوں یا نہ ہوں لیکن اس پر بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کے استعمال اور طرز خطاب سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہاں اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

مرزا صاحب اپنے مکذبین اور منکرین کو کافر کہنے سے۔ تیرہ کیطرف سے جو انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق مرزا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو اسلئے کافر کہتے ہیں کہ جو شخص انہیں نہیں مانتا وہ انہیں مفتری قرار دیکر نہیں مانتا۔ اس لئے ان کی تکفیر کیوجہ سے وہ خود کافر بنتا ہے۔ لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ایک شخص اگر واقعہ میں کافر ہو تو اُسے کیوں کافر نہ کہا جاوے۔ اسطرح تو کسی پر بھی کفر کا فتوے نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اُسے کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا مرزا صاحب کے سچے یا جھوٹے نبی ہونیکے متعلق اوپر بحث کیجا چکی ہے۔ لہٰذا ان دلائل کی رُو سے اگر کوئی شخص ان کو کافر کہتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود پھر کیونکر کافر ہو جائیگا۔ اور اگر بفرض محال یہ رائے درست بھی ہو۔ تو پھر صرف ان لوگوں کو کافر کہنا چاہئے۔ جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر کہیں جو ان کی نہ تکذیب کرتے ہیں اور نہ تکفیر انہیں کیوں کافر کہا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انہیں کافر کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو مفتری جانکر کافر کہتے ہیں۔ بلکہ اُس کی وجہ خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب فتاوے احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۰۲ پر یہ بیان کیا ہے کہ کسیکا کوئی عمل میرے دعوے اور دلیلوں اور میرے پہچاننے کے بغیر مفید نہیں ہو سکتا۔ پھر آگے اس کتاب کے صفحہ ۲۰۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ بہر حال حکم خدا تعالےٰ نے مجھپر ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک شخص کہ جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک

قابل خواندہ ہے۔ اِن عبارات سے صاف اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو نہیں مانتا خواہ اُن کو کافر کہے یا نہ کہے وہ مسلمان نہیں۔ اور اُس کا کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہی مدعا علیہ کے گواہان نے ریاست ہٰذا کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور یہ دکھلانے کے لئے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب اور اُن کے متبعین کے خلاف فتوے تکفیر محض اپنے بغض اور عناد کی بناء پر اور اپنے بزرگان کے اقتداء کا خوگر ہونے کی وجہ سے دیا ہے۔ ورنہ دراصل مرزا صاحب ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب علیہ الرحمۃ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے بلکہ جن کے سندھ۔ بلوچستان۔ اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں۔ کی ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ اُن کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہلسنت والجماعت اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے بلکہ آپ اُنکے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اوقات خداتعالےٰ کی عبادت میں گذرتے ہیں۔ اور حمایت دین پر کمربستہ ہیں۔ اور کہ علمائے وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہلسنت والجماعت میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم ہے

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کیجا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ کیطرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اُس وقت تک دیکھیں تھیں۔ ان میں مرزا صاحب کا دعوےٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب انجام آتھم صفحہ ۹۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں۔ کہ اب ہم ان مولویان جاہلان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں۔ کہ جن میں سے بعض

تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مفتری بھی۔ اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتری اور کذّاب اور دجّال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفّرین اور مکذّبین مباہلہ کیلئے بلائے گئے ہیں۔ اور ان کیساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو مکفّر اور مکذّب ہیں۔ اور اس کیساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔

فریقین کی ان بحث ہائے کو مدنظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک مقدس اور نیک لوگوں کے گروہ کا نام صوفیائے ہے۔ ان صوفیائے کرام کو ذکر الٰہی، عبادت اور ریاضت سے جو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ ایسی ان پر تجلیات الٰہی وارد ہوتی ہیں اور ان کے قلب کی کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ جس سے وہ کچھ غیب کی خبروں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ اسکو وہ الہام یا کشف کہتے ہیں۔ اور بعض صوفیائے کرام نے اُسے مجازی طور پر وحی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اور اُسے اللہ تعالےٰ کی جانب سے براہ راست غیب کی خبروں کی اطلاع دیجاتی رہتی ہے۔ اور اُسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ انہیں قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اور آئندہ زندگی کے حالات سے مطلع کرے۔ اور جس ذریعہ سے انہیں یہ اطلاع ہوتی ہے۔ اُسے وحی کہا جاتا ہے۔ اور وحی کی یہ اصطلاح انبیاء کیلئے ہی مختص ہے۔ دوسری جگہ اگر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اُسے مجازی یا لغوی معنے دیئے جاتے ہیں۔ انبیاء کو یہ وحی تین طریق پر ہوتی ہے۔ یا تو اللہ تعالےٰ کوئی بات کسی نبی کے دل میں ڈالدیتا ہے۔ یا فرشتوں میں سے کوئی قاصد بھیجکر اُس کے ذریعہ سے مطلع فرماتا ہے یا پس پردہ خود کلام فرماتا ہے۔ یہ وحی چونکہ دخل شیطانی سے منزّہ ہوتی ہے۔ اس لئے اُسے قطعی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا ماننا فرض ہے۔ اولیاء کا الہام یا کشف گو دخل شیطانی سے پاک بھی ہو تاہم نہ وہ قطعی ہوتا ہے۔ اور نہ ہی دوسروں پر کوئی حجت ہوتا ہے بلکہ الہام اور کشف

Scanned with CamScanner

کے ذریعہ قرآن مجید کے معارف اور اسرار سمجھائے جاتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض اکابر صوفیائے کرام پر آیات قرآنی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ ان آیات کو وہ اپنے اوپر چسپاں نہیں کرتے۔ بلکہ جیسے کسی سیاح کو دوران سیاحت میں اعلیٰ مقامات دکھلائے جاویں۔ اسی طرح ان کو اعلیٰ مراتب روحانی کی سیر کرائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جب اس میدان میں گامزن ہوئے۔ اور انہیں مکاشفات کا سلسلہ جاری ہونے لگا۔ تو وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے۔ اور صوفیائے کرام کی کتابوں میں وحی اور نبوت کے الفاظ موجود پا کر انہوں نے سابقہ اولیاء اللہ سے اپنا مرتبہ بلند دکھلانے کی خاطر اپنے لیے نبوت کی ایک اصطلاح تجویز فرمائی۔ جب لوگ یہ لفظ سن کر چونکنے لگے تو انہوں نے یہ کہکر انہیں خاموش کرنا چاہا۔ کہ تم گھبراتے کیوں ہو۔ آنحضرت صلعم کے اتباع سے جس مکالمہ اور مخاطبہ کے ہم لوگ قائل ہوئے ہیں۔ اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ یہ صرف لفظی نزاع ہے۔ سو ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ کوئی اصطلاح مقرر کرے۔ گویا انہوں نے نبی کے لفظ کو برعکس اس کی اصل اور عام فہم معنوں کے بجائے اصطلاحی طور پر کثرت مکالمہ اور مخاطبہ پر حاوی کیا۔ اور یہ اصطلاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم کی۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس لفظ کا استعمال کثرت سے اپنے متعلق کرنے لگے تو لوگ پھر چونکے۔ اس پر انہوں نے یہ کہکر انہیں خاموش کیا۔ کہ میں کوئی اصلی نبی تو نہیں بلکہ اس معنے میں کہ میں نے تمام کمال آنحضرت صلعم کے اتباع اور فیض سے حاصل کیا ہے۔ ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ اور اس کے بعد انہوں نے ان آیات قرآنی کو جو شاید کسی اچھے وقت میں ان پر نازل ہوئی تھیں اپنے اوپر چسپاں کرنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ تشریعی نبوت کے دعوے کا اظہار کر دیا۔ لیکن صریح آیات قرآنی اور احادیث اور اقوال بزرگان سے جب انہیں اس میں کامیابی نظر نہ آئی۔ تو انہوں نے اس دعوے کو ترک کر کے اپنا مفر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث میں جا تلاش کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بزعم خود ثابت کر کے یہ دکھلایا کہ ان

احادیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت میں کسی شخص کو نبوۃ کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ نہ یہ کہ حضرت مسیح ناصری واپس آئینگے۔ مدعا علیہ کے ایک گواہ کے بیان سے یہ اخذ ہوتا ہے۔ اور نامعلوم اس نے بطور خود یا مرزا صاحب کی کسی تحریر کی رُو سے یہ بیان دیا ہے۔ کہ احادیث میں جو عیسے بن مریم کے نزول کی خبر آئی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلعم سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت ان کے ظہور کے وقت نمایاں ہوتی ہے اور اجتہادی غلطی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں یعنے کیفیت تحقق و وقوع کے لحاظ سے نبی سے ممکن ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلعم سے بھی اس کی مثال اُس نے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دیکر یہ دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ایک رویا کی بنا پر یہ سمجھا کہ وہ ہجر یا یمامہ کیطرف ہجرت فرمائیں گے۔ لیکن آپ جو وقت مدینہ کیطرف ہجرت کر کے تشریف لیگئے تو اس وقت آپ پر اس پیش گوئی کی حقیقت کھلی۔ کہ اس سے مُراد مدینہ تھا۔ اور کہ جب نبی سے اجتہادی غلطی ممکن ہوئی تو پیش گوئی کے پورا ہونیکے وقت اصل حقیقت پیش گوئی کی منکشف ہو جائیگی۔ اور کہ اسی کو پیش گوئی کے تحقق و وقوع کیوقت وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ غرض مرزا صاحب نے سابقہ مراحل سے گذرنے کے بعد بڑھ چڑھ کر اپنے مسیح موعود ہونیکے دعویٰ کا اظہار شروع کر دیا۔ اور نبوۃ کو پھر ایک ایسا گورکھ دھندہ بنا دیا۔ کہ جو نہ تو لوگوں کی سمجھ میں آسکا ہے اور نہ ہی انکے اپنے متبعین جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ ان کے مرتبہ کو بخوبی سمجھ سکے ہیں۔ بلکہ خود خدا کو بھی نعوذ باللہ ان کے نبی بنانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ جب خداوند تعالےٰ نے یہ محسوس فرمایا۔ کہ نعوذ باللہ اس کے حبیب سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ اب ان کی آن رکھنے کیلئے اور مرزا صاحب کو نبوۃ کا مرتبہ عطا فرمانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے بقول مرزا صاحب پہلے تو ان تمام پیش گوئیوں کو جو قرآن میں حضرت عیسے علیہ السلام کے متعلق تھیں۔ مرزا صاحب کیطرف پھیر دیا۔ اور پھر انہیں کبھی مریم بنا دیا۔ کبھی

اور اس کے بعد بارش کی طرح وحی کر کے یہ جتلایا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اب تم بلاخوف خطر نبی ہونیکا دعوے کر دو۔ اور جہاں پہلے وہ فاستمع لما یوحی۔ و یا ایہا المدثر قم فانذر کی تحکمانہ وحی کے ذریعے نبیوں کو چوکنا کر کے اپنی طرف سے مامور فرمایا کرتا تھا۔ وہاں مرزا صاحب کے لیے اُسے نعوذ باللہ مختلف حیل اختیار کرنے پڑے۔ مرزا صاحب کے اس طرز عمل سے نبی بننے سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں نبوت کے عہدے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ اُس نے پہلے تو مرزا صاحب کے لئے نبوت کی اصطلاح تجویز فرمائی۔ پھر وہ جب اُس سے خوش نہ ہوئے تو اُن کو نبی کا خطاب عطا فرما دیا۔ جیسے کہ نواب اور راجہ کے خطابات گورنمنٹ سے ان لوگوں کو بھی عطا فرمائے جاتے ہیں۔ جو صاحب ریاست نہ ہوں۔ لیکن جب مرزا صاحب کی اس سے بھی تشفی نہ ہوئی باوجودیکہ اللہ تعالیٰ انہیں یا ولدی بھی فرما چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ رسول اللہ صلعم کو چونکہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں خاتم النبیین کر چکا تھا۔ وہ بھی کسی دوسرے نبی کے بننے سے خفا نہ ہوں۔ مرزا صاحب کو آپ کا ظل بنا دیا گیا۔ اور آخر کار جب ان کی خوشی نبی بننے میں ہی دیکھی اور یہ بھی خیال آیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخر زمانہ میں بھیجا جانیکا وعدہ ہو چکا ہے۔ تو انہیں مار کر مرزا صاحب کو نبی بنا دیا گیا۔ استغفر اللہ

گواہ مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سے بھی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو پھر اس کا کیا اعتبار ہے کہ مرزا صاحب سے یہ غلطی نہ ہوئی ہو گی۔ خصوصاً جبکہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کے ظل بھی ہیں۔ نیز اغلب ہے کہ اصل کی فطرت ظل کی فطرت پر اثر انداز ہوئی ہو اور علاوہ ازیں مرزا صاحب اپنے اقرار کے مطابق آنحضرت صلعم سے زیادہ ذکی بھی نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کی کئی سال کے متواتر وحی کے بعد انہوں نے یہ جا کر سمجھا کہ وہ نبی ہو چکے۔ اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے وحی الٰہی کا مفہوم غلط سمجھ کر دعوے نبوت کر دیا ہو۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں اُمتی ہونیکے وقت نزول مسیح کے متعلق وقع

کا علم نہیں ہوا۔ بلکہ جب ان کو نبوت کا خطاب مل چکا۔ اس کے بعد انہیں یہ جتلایا گیا۔ کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ کہنا کہ امتی کو وقوع کے وقت تحقق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے باطل ہو جاتا ہے۔ گواہ مذکور نے رسول اللہ صلعم کی جس حدیث کا حوالہ دیکر یہ کہا ہے کہ آپ سے اجتہادی غلطی کا وقوع ممکن ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہجرت کے وقت کوئی غلطی فرمائی۔ گواہ مذکور کی یہ حجت اس وقت صحیح ہوتی کہ جب آپ بجائے مدینہ کے ہجر یا یمامہ کیطرف تشریف لیجاتے اور پھر وہاں سے مدینہ عالیہ کیطرف آتے۔ وہاں جانے کے متعلق آپ کا صرف ایک خیال تھا۔ جو وقوع میں نہ آیا۔ اور اس رویا پر عمل اسطرح ہوا جسطرح مشیت ایزدی میں مقدر تھا خود اس مثال سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر نبی کو کسیطرح غلط فہمی ہو بھی جائے۔ تو اللہ تعالےٰ کیطرف سے اسکو فوراً رفع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ صدیوں تک وہ غلطی چلی جائے۔ اور نہ خود نبی پر اور نہ اس کے کامل متبعین پر اس کا افشا ہو۔ اس لئے یہ کہنا بڑی دلیری ہے کہ رسول اللہ صلعم سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی بیان کرنے میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پھر اخیر عمر میں جا کر اپنے دعوے کی غلطی کو محسوس کیا اور پھر اصطلاحی نبوت کو ہی جا کر قائم کیا۔ جس سے انہوں نے اپنے دعوے کی ابتداء شروع کی تھی۔ جیسا کہ اُن کے اس خط سے جو انہوں نے وفات سے دو تین یوم قبل اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے اس میں درج ہے کہ میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنیوالا۔ ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے بجا طور پر یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دور ہے۔ ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب

اقوال میں، کسقدر تہافت اور تعارض پایا جاتا ہے اور خود مرزا صاحب کی کیسی پریشان خیالی ہے۔ اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے۔ کہ جس سے نتیجہ کرنا ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔ چنانچہ کہیں وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنے کیساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں۔ اور کہیں ایسے عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی و شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں۔ اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ بتلاتے ہیں۔

ختم نبوت کا عقیدہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنے مدعا علیہ کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے صحیح معنے وہی ہیں جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں مدعا علیہ کیطرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنے ہیں اور ایک باطنی اور کہ "تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ اور باوجود قوی ہونے کے اس کی مراد میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ صلعم کے دل میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی مراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور اصول شریعت سے علماء شریعت سمجھیں۔ اور اس کے تحت میں قیاس ہیں اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالے اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کردے۔ اور بہتوں سے وہ مخفی رہے ہیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو۔ اور قواعد شریعت رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا۔ اور رد کیا جائے گا۔ اور بعض اوقات باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دیگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرمانبردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں۔

Scanned with CamScanner

،، جن کو سپرد کردیں خدا کے تاویل کے متعلق ان کا یہ جواب ہے کہ تا اصول اور
عربی تحقیق قواعد کے مطابق کرے۔ تو اُس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اگر تاویل
کی رو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے۔ آیات قرآنی متواتر ہیں۔ اور قرآن وحدیث جو ہی
پر ہم سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبیں ہیں ایک ثبوت کی۔ دوسری دلالت کی
ثبوت قرآن کا متواتر ہے۔ اِس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے۔ تو پھر قرآن کے ثبوت کی
اس کے پاس کوئی صورت نہیں۔ اور یہی جو شخص تواتر کی ثبوت کا انکار کرے
اُس نے دین ڈھا دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے۔ جسکا معنے یہ ہے کہ مطلب پر
رہنمائی کرنا۔ دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہ
کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے کہ مراد یہی ہے تو پھر
وہ دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے لیکر والناس تک
قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے معنے کی
دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تاویل اوامر و نواہی میں ہو سکتی ہے۔ اخبار
میں نہیں ہو سکتی جیسا کہ مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس
بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آیت خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے۔ اور اُس کے بطن کے
معنے ایسے نہیں ہو سکتے کہ جو رسول اللہ صلعم کے خاتم النبیین بمعنے آخری نبی سمجھنے کے
منافی ہوں۔ اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا معنے سے انکار کفر ہے
مدعا علیہ کیطرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اور جن مسائل
کی بنا پر اس نے ایسا کہا ہے۔ وہ اس قبیل کے نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت ہے لہذا
یہ قرار دیا جاتا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنے مدعیہ کیطرف سے کئے گئے ہیں۔ اور اس معنے
کے تحت جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ سے انحراف وارتداد کی حد تک پہنچا ہے
اور کہ آنحضرت کے بعد عہدہ نبوت اور وحی نبوت منقطع ہو چکے ہیں مرزا صاحب مسیح

بلحاظ وقائع کی رو سے نبی نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے نبی نہ ہونے کی تائید میں ایک امر بھی ہے۔ کہ ان کے متبعین میں سے ایک گروہ جو لاہوری کہلاتے ہیں۔ انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے۔ خود ان کے مخالف مجازوں کے نزدیک اور ان کے ایک موافق فرقہ کی رائے میں رسول اللہ صلعم کا خاتم النبیین بمعنے آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اسلئے مرزا صاحب کی نبوت کا دعوے کسی حالت میں بھی درست نہیں۔ ظلی اور بروزی نبی اگر آنحضرت صلعم کے کمال اتباع سے ہونے ممکن ہوتے تو اس قسم کے نبی مرزا صاحب کے آنے سے قبل کئی آچکے ہوتے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو درجہ کمال بھی اسوقت حاصل ہو سکتا تھا۔ کہ اس قسم کے اور کئی نبی پیدا ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ ہر جنس کا کمال اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے اور ناقص افراد موجود ہوں چنانچہ رسول اللہ صلعم بھی اسی لئے افضل الانبیاء ہیں کہ سلسلہ رسالت اور نبوت میں دیگر انبیاء منسلک ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خاتم الاولیاء ظاہر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ولایت ختم کر چکے۔ لیکن اس سے وہ ولی ہی شمار ہوں گے۔ نبی نہیں سمجھے جا سکتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضہ روحانی سے اگر نبوت مل سکتی ہے تو ضرور ہے کہ ان سے قبل ایسے نبی آتے کہ جن کے بعد انہیں درجہ کمال حاصل ہوتا۔ مدعیہ کیطرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ ظلی اور بروزی کی اصطلاحیں دراصل الفاظ ہی الفاظ ہیں ورنہ دراصل مرزا صاحب کی مراد اس سے اصل نبوت ہی ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی نے کی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ الفاظ مغالطہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور نہ ہی شرع میں اس قسم کے الفاظ پر کسی عقیدہ کا حصر ہے۔ مرزا صاحب نے یہ بیان کر کے کہ اس قسم کی نبوت قیامت تک جاری ہے۔ اسلام میں ایک فتنہ کی بنا ڈالی ہے۔ اور ناممکن نہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص دعوئے نبوت کرے۔ انکی کارگذاری کو بھی ملیا میٹ کر دے۔ اسطرح مذہب سے امان اٹھ جائیگی اور سوائے

اس کے کہ وہ ایک مکمل اور مستحسن بات۔ اس کی کوئی حقیقت بحیثیت دین کے نہ ہو گی۔ اس لئے بھی رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا علاوہ عقائد صحیحہ میں سے ہونے کے بھی ضروری ہے۔ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ اس لیے ان کا اسلام کے اس بنیادی مسئلہ سے انکار کفر کی حد تک پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر عقائد بھی ان عقائد کے مطابق نہیں پائے جاتے۔ جس کی آجتک امت مرحومہ پابند چلی آئی ہے۔ خدا کا تصور اس نے ہندوؤں سے تشبیہ دیکر ایسا پیش کیا ہے کہ جو سراسر تعلیم قرآنی کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح یہ بیان کر کے کہ خدا خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ اور روزے رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جو سراسر نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ جیسا کہ آیت **هو الذی ارسل رسوله** ...... الخ کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ اس میں میرا ذکر ہے۔ اور دوسرے الہام بالفاظ محمد رسول اللہ بیان کر کے یہ کہا کہ اس میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔ اسی طرح اور کئی ایسی تصریحیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے۔ اس سے بھی رسول اللہ صلعم کی توہین کا نتیجہ درست اخذ کیا گیا۔ اسی طرح ان کے بعض اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور حضرت مریم کی شان میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے اور جس کا حوالہ شیخ الجامعہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ اور جس کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس سے قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے سوائے مرزا صاحب کو کافر قرار دینے کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کی بعض کتب کے حوالے دے کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خوب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو اگر ہزار جگہ کلمات مدحیہ لکھے ہوں

اور ثنا خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دُنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں۔ کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسیکا اتباع اور اطاعت گذاری کرے۔ اور مدح و ثنا کرتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کردے۔ تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔

مدعا علیہ کیطرف سے دیگر صوفیائے کرام کے بعض ایسے۔ قول جو مرزا صاحب کے بعض اقوال کے مشابہ ہیں بیان کیے جاکر یہ کہا گیا ہے۔ کہ ان اقوال کی بنا پر پھر ان بزرگان کو کیونکر مسلمان سمجھا جاتا ہے اس کا جواب بالفاظ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولیاء امت کو انکی طہارت۔ تقوے اور تقدس کی خبریں سُنکر اور ان کے شواہد افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ اور قرائن اور نشانیوں سے جو خارج بہوش منہ سے ہوں یعنے انہی شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہ کی ہو۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہو۔ جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی۔ اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے۔ تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ متغائر یا موہم ہمارے سامنے پڑتا ہے۔ تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کی توجیہہ کریں۔ اور حل نکالیں۔ اور یہ کہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جگھٹ جانا نافہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راستبازی اگر جداگانہ تجارب سے اور جو طریقہ راستبازی ثابت کرنیکا ہے ثابت ہوئی ہو۔ تو پھر اگر کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آگیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توضیح کریں گے۔ اور حل نکالینگے یہ عاقل کا کام نہیں ہے۔ کہ راستبازی کسی کی ثابت ہو ویسے پیشتر وہی کلمات مغالطہ پیش کر کے مسئلہ انبوت مقبولوں پر قیاس کرے۔ اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا فلاں نے ایسا کیا اس کا جواب مختصر یہ ہوگا کہ فلاں کی راستبازی جداگانہ طور پر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے۔ تو ہم محتاج توجیہہ ہوں گے۔ اور کہ زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ

سامان خیرہ ہے۔ ہی نہیں۔ ترجمہ: کوئی پونجی اُس کے منہ پر ماریں گے۔

وہ جدید کیطرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کہ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں وغیرہ وغیرہ ان شبہات کا جواب بھی شاہ صاحب گولڑوی نے خود دیا ہے۔ جو انہیں کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح و تحقیق علماء اہل قبلہ کے یہ معنے نہیں۔ کہ جو قبلہ کیطرف منہ کرے۔ وہ مسلمان ہے۔ چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ تر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ ہی کیطرف منہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہ اتفاق کیا ضروریات دین پر۔ اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا۔ جبتک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

دوسرا شبہ یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنیوالے ہیں پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔ کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائیگی۔ اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع اور خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہونگی کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جبکہ بعض ضروریات دین کا انکار اُن سے ثابت ہوا۔ تو اُن کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کرسکی

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جسکی کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہو۔ اور صرف ایک وجہ اسلام کی اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہا کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور اس کے معنے سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ اور نہ اُن کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہے۔ جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آوے۔ اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اُس کے کلام میں کوئی ایسی تصریح ہو۔ جس سے معنے کفر متعین ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے۔ اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے جسکی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے۔ تو اس احتمال کو اختیار کرے۔ اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو۔ جس کو دیکھکر یہ یقین ہو جائے۔ کہ یہی معنے۔ معنے کفری مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں معنے کفری کی تصریح کردے۔ تو باجماع فقہاء اس کو ہرگز مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائیگا۔

چوتھا شبہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کیساتھ کہا جاوے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔ اس کا جواب۔ ہے کہ اس میں بھی وہی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کار کن ہے۔ حضرات فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں۔ کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنے گھڑتے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے بغیر الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دئے ہیں مگر ان کے الفاظ وہی رہنے دئے ہیں۔

ن کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسیطرح ہی کافر سمجھا جائیگا۔

مدعا علیہ کیطرف سے گواہان مدعیہ پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا ہے کہ وہ دیوبندی عقائد سے تعلق رکھنے والے تھے اور علمائے دیوبند کے خلاف فتوائے تکفیر شائع ہو چکا ہے۔ اس لئے ایک شخص جو خود کافر ہو وہ کسطرح دوسرے کے متعلق کفر کا فتوٰی دیسکتا ہے

اس کا جواب مدعیہ کیطرف سے ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ اس کے تمام گواہان دیوبندی صاحبان نہیں ہیں۔ مثلاً شیخ الجامعہ صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نجم الدین صاحب۔ دوسرے دیوبندی صاحبان کے خلاف فتوائے تکفیر ایک غلط فہمی کی بنا پر دیا گیا تھا۔ جو بعد میں واپس لیا جا چکا ہے۔ اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو بھی مدعا علیہ کی حجت اس بنا پر صحیح نہیں۔ کہ ان کی رائے کو بطور فتوائے قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ انکی پیش کردہ دلائل پر مدعا علیہ کے پیش کردہ دلائل کے مقابلہ میں تنقید کیجا کر رائے قائم کیگئی ہے۔ اسلئے چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ انکی ذاتی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا گیا بلکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کی رو سے کس فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ اس لئے ان کے خلاف اگر کوئی فتوائے تکفیر ہو بھی تو اس معاملہ پر اثرانداز نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا۔ کہ اس سوال کو عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ علماء اسلام ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا علمائے اسلام کی تحقیق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ میں شہادتیں دی ہیں۔ اور جس پر فتوائے کفر لگا ہے۔ وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہ اور اسطرح فیصلہ کرنیوالیکا مسلمان ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر دو فریق کا ادعا ہے کہ وہ مذہب اسلام سے

تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن بہم اور بنیادی مسائل سے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ لہٰذا اس بارہ میں عام بنیادی اصول کے مطابق رائے اس فرقہ کی غالب سمجھی جائیگی جس میں کثرت ہو۔ یہ اکثریت بحق مدعیہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے فریق مدعیہ کی رائے ہی غالب رہیگی اور اُسے مسلمان اور اقلیت کو کافر سمجھا جائیگا۔ لہٰذا اس قرارداد کے تحت مدعیہ کے کسی گواہ کے خارجی طور پر مسلمان ثابت کئے جانیکی ضرورت نہیں۔ اور فیصلہ کنندہ بھی اس ذیل میں مسلمان شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ نے اپنی بحث میں جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو تنہا درست تسلیم کرکے اپنے اوپر حجت مان لیا ہے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ تنہا عدالت ہذا کا فیصلہ اس پر حجت نہ ہو سکے۔

گواہان مدعیہ پر مدعا علیہ کیطرف سے کنایۃً اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علماء سوء کہا گیا۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود بھی ایسے مولویوں کو جو فتنہ اٹھایا میں مخاطب ہیں بُرا اور شر کا لقب دیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے۔ کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے۔ لیکن ملاحظہ مثل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ فریقین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہیں۔

مرزا صاحب کے دعوےٰ نبوت کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ پر بھی مختصر بحث کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لئے بھی نبی سمجھتے ہیں کہ انہیں مسیح موعود ہونیکا بھی دعوےٰ ہے۔ اور مسیح موعود کو چونکہ احادیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اسلئے مرزا صاحب نبی اللہ ہوئے۔ اس کے متعلق جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی ہیں اور کہ آخر زمانہ میں وہی آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اور وہ چونکہ پہلے سے نبی اللہ ہیں۔ اس لئے پھر بھی نبی اللہ ہونگے۔

مگر وہ عمل شریعت محمدیہ پر کریں گے۔ اپنی شریعت پر نہیں چلیں گے۔ اس کی مثال دنیہ کیطرف سے یہ دی گئی ہے۔ کہ جیسے کسی دوسرے علاقہ کا گورنر کسی دوسرے گورنر کے علاقہ میں چلا جائے۔ تو وہاں اپنے عہدہ کے لحاظ سے گو وہ گورنر شمار ہوگا۔ لیکن دوسرے گورنر کے علاقہ میں وہ اس گورنر کی حکومت کے تابع ہو کر رہے گا۔ اپنے علاقہ کے قوانین یا آئین پر عمل پیرا نہیں ہو سکیگا۔ اس لئے رسول اللہ صلعم چونکہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے قیامت تک آپ کی شریعت ہی نافذ رہیگی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت کے تحت عمل پیرا ہونگے۔

اس مثال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی نبی ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں کو نزول مسیح کا عقیدہ بہت عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور انکے ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتے۔ کہ کسطرح ایک شخص کئی ہزار سال کے بعد دنیا میں واپس آسکتا ہے۔ شک نہیں کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بہت کچھ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب اپنی کتاب این آئین میں لکھتے ہیں اس قسم کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جواب دینے والے بالعموم یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ مسلمات کا روغن قاز مل دیا جاتا ہے ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے اور جس جملہ کیساتھ فلسفہ اور سائنس کا نقارہ بجتا ہوا سن پاتے ہیں اپنے ہوش و حواس کو اس کے مقابلہ پر قائم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اور ایک مجرم کیطرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے فعل کو دلیری کیساتھ حق بجانب ثابت کرنیکی بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ارتکاب سے انکار کریں اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ کہکر دامن چھڑا لیں۔ کہ جس مسئلہ پر اعتراض ہے وہ اسلامی اصول میں داخل نہیں۔ مولنا موصوف آگے لکھتے ہیں ایسے اعتراضوں کے ایسے جواب آجکل فیشن میں داخل ہیں اور جواب دینے والے گویا یقین کر لیتے ہیں کہ

تہذیب جدید جس امر پر صحیح ہونیکا فتوے صادر کرتی ہے۔ اس میں کوئی حسن باقی نہ رہا گو ن کا بس چلتا ہے تو قرآن اور حدیث پر۔ ان دونوں سے جسطرح بن پڑتا ہے۔ رہائی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اسلام کو سب اعتراضوں سے پاک تصور کر لیتے ہیں۔

مسئلہ نزول مسیح بھی اسی قبیل کا ہے۔ کہ جس پر اس قسم کے اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو شخص قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اسے اس پر یقین رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سو سال کے بعد زندہ کرنیکا واقعہ موجود ہے۔ اسیطرح اصحاب کہف تین سو سال سے زائد عرصہ تک غار میں بحالت خواب پڑے رہے۔ اس لئے وہ امور اگر ذات باری کے لئے ناممکنات میں سے نہ تھے تو حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس کے آگے کوئی مشکل نہیں۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش جسطرح غیر معمولی طریق پر ہوئی۔ اسیطرح ان کے نزول کو بھی غیر معمولی طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہا اس پیشگوئی کی صداقت کا سوال اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو مرزا صاحب نے جہاں کئی دیگر متواترات کا انکار کیا تھا۔ وہاں اس کا بھی انکار فرما دیتے۔ لیکن وہ بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکے۔ اور اس کی ممکن سے ممکن جو بھی تاویل ہو سکتی تھی۔ وہ بیان کرنے میں انہوں نے کوئی دریغ نہیں کیں۔ لیکن اوپر کی بحث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن و احادیث کی رو سے وہ تاویل درست ثابت نہیں ہوئی۔ اور سوائے اس کے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے۔ کہ اس پیشگوئی کی رو سے حضرت عیسی ابن مریم ہی دنیا میں واپس تشریف لاویں گے۔ اس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سوا آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا اس لئے اس عقیدہ کو اگر قائم رکھا جاوے۔ تو جو لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول

Scanned with CamScanner

کے وقت زندہ ہوں گے۔ انہیں خود اس پیشگوئی کی تصدیق ہو جائیگی۔ اور جو اس سے قبل فوت ہوں گے۔ خداوند تعالےٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا۔ کہ جو ان سے قبل اس عقیدہ پر وفات پاتے رہے۔ البتہ اس عقیدہ کو چھوڑنے والا ضرور گنہگار ہو گا۔ کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا مکذب سمجھا جائے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہ۔ کیونکہ شکی طبیعتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ احادیث کی تدوین چونکہ بہت مدت کے بعد ہوئی اس لئے کیونکر پورے اطمینان سے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ راویوں کو حدیث کے پورے الفاظ یاد رہے ہیں۔ یا یہ کہ ان الفاظ سے رسول اللہ صلعم کی مراد وہی تھی جو کہ ان لوگوں نے سمجھی۔ اس کا جواب تو علماء ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کا موٹا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حدیث ہو صحیح۔ اور ہم نے اس کا عقیدہ رکھا چھوڑ۔ تو قیامت کے دن ہم جوابدہ ہوں گے۔ اور اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو تو اس پر محض ایک عقیدہ رکھنے سے جو قرآن کے کسی صورت میں بھی مخالف نہیں پایا جاتا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ لہذا بہر حال ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے ایک یہ مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر حضرت عیسے علیہ السلام کا نزول مان لیا جاوے تو اس سے یہ سمجھا جائیگا کہ رسول اللہ صلعم کی امت میں اب کوئی شخص اہلیت نہ رکھتا تھا کہ اُسے لوگوں کی اصلاح کیلئے مامور فرمایا جاتا اور اس سے اُمت کی توہین لازم آئیگی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خُداوند تعالے کیطرف سے کسی شخص کا مامور ہونا اسکے کسی استحقاق کی بنا پر نہیں ہوتا۔ دوسرا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت کیحالت بہت ابتر ہوگی۔ اسلئے ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی اس فرض کے

سرانجام دینے کا اہل نہ پایا جاوے۔ اس لئے مخلوق کی صلاح کے لیے سابقہ انبیاؤں میں سے
ہی ایک کو واپس لایا جانا ضروری سمجھا گیا ہو۔ یہ باتیں مشیت ایزدی سے تعلق رکھتی ہیں
اس لئے انہیں کوئی رائے زنی نہیں کیجا سکتی۔

ہمارے دلوں میں یہ شکوک دراصل اس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ ہم ہدایت قرآنی پر پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام احکام ربانی پر عمل کریں تو اس حالت کے نتائج ہی اعتراض کرنے والوں کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اور جیساکہ مولنا محمد علی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔ جبتک مسلمان لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ پر عمل کرتے رہے۔ انہیں نہ خود کوئی تکلیف پیش آئی اور نہ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے کسی دشواری کا سامنا ہوا۔ اور جب قوم کی قوم ہی ایک رنگ میں رنگین ہو۔ تو ایسا منظر شکوک و شبہات کو اڑا دیتا ہے۔ اور اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مگر افسوس جیساکہ مولنا اپنی کتاب محولہ بالا میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سب سے بڑی ضرورت بلکہ زندگی کا واحد مقصد آجکل یہ قرار پا گیا ہے۔ کہ انسانی زندگی کی وساطت اور ذریعہ کے اندر تمام تر توجہ اس مادی سامان کے مہیا کرنے۔ اس کو کام میں لانے اور اس کے نتائج سے لطف اٹھانے پر مبذول رہے۔ اور موجودہ زندگی کے بعد کا کوئی خیال اور اس کے لئے کسی عمل اور کسب کا کوئی ارادہ اور اس دنیا سے باہر کی ہستی کیساتھ تعلق رکھنے کا کوئی وہم بھی دل میں آنے نہ پاوے۔ اور اپنی تمام کوششوں کا محور اس دنیا اور یہاں کی چندروزہ زندگی کو سمجھنا صحیح اصول کار ہے۔ یہ حالت کیوں پیش آئی اس کا جواب بھی مولنا محمد علی صاحب کی ایک تحریر سے دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کے پیش کرنیوالے جو زبان سے کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھلاتے۔ اور وعظ و نصیحت میں فصاحت قرآنیہ پر انسانی طرز کلام کو ترجیح دیکر منطقی موشگافیوں اور شاعرانہ چالوں سے کام لیتے ہیں۔ اور رہنمائی سے زیادہ اپنے فضل وکمال کی نمائش

Scanned with CamScanner

چاہتے ہیں۔ حالانکہ اہل ایمان پر نہ بحث نہ مناظرہ فرض ہے نہ منطقیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ معرکہ آرائیوں کی ضرورت وہی روشنی ہدایت جو کلام الٰہی نے پیش کی ہے۔ یہی طرزِ ادا ہے جو اس ہادیٔ برحق نے اختیار کی ہے ہر عالم و جاہل تک پہنچانے کی ضرورت ہے سب کا ہدایت پانا اور تمام مخلوق کا ایک راہ اختیار کرنا ممکن نہیں ورنہ کلام الٰہی میں اب بھی وہی کشش ہے۔ اور قرآن کریم کے اندر جذبِ قلوب کا وہی اثر غافل انسانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے والا اور تشنگانِ ہدایت کو شربتِ معرفت سے سیراب کرنے والا اگر ہے تو صرف قرآن کریم۔

اور اس کلام مبارک کا ایک ایک لفظ چشم بینا کو محوِ حیرت کرنے اور دل دانا کا دامن کھینچنے میں وہ تاثیر رکھتا ہے جو آئینہ پر جمالِ یار اور پرکاہ پر کہربا۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں ہر شخص کو خود بھی تدبر کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قواعد و دیگر لوازمات کو جو معنے اخذ کرنے کیلئے ضروری ہیں پس پشت ڈال کر اپنی سمجھ پر چلنا شروع کر دیا جاوے۔ جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو آیت وبالآخرۃ ھم یوقنون کے یہ معنے کرتا ہے کہ یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آخرت کے معنے زمانہ آخر کی وحی بتلاتا ہے ذرا احمدی صاحبان خود بھی تو سوچیں کہ انہوں نے دین کو کیا مذاق بنا رکھا ہے۔

اس بحث کے بعد اب اصل معاملہ متنازعہ کو طے کرنے کے لیے یہ بتلانا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے اور کہ عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصول

ہی سے ہے۔ مدعا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بایں معنی نہ ماننے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد کا موجب ہے اور کہ عقائد اسلامی کی رو سے ایک شخص کلمہ گو ہو کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یعنی کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنے آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ اس اجماعی عقیدہ سے منحرف ہونیکی وجہ سے مرتد سمجھا جاویگا۔ اور اگر ارتداد کے معنے کسی مذہب کے اصولوں سے کُلی انحراف کے لئے جاویں تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جاویگا۔ کیونکہ اس صورت میں اُس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہوگی۔ نہ کہ احادیث و اقوال فقہا جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونیکو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستزاد ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے۔ اسی طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمدی کے خلاف احکام ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے اور کیوں اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے لیکن یہ توجیہیں اس لئے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور

ہیں۔ جس سے وہ ان کے نقطۂ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جاویں گے۔ کسی مذہب میں بھی شرائط کلی کے موافق تو ہو نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاوے کہ وہ تمام غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے بیان میں مسیلمہ وغیرہ کاذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعوے نبوت کاذبہ ارتداد ہے۔ اور کاذب مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائیگا۔ لہذا ابتدائی تنقیحات جو ۴ نومبر ۱۹۲۶ء عیسوی کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دیکر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاویگا۔ جو معنے کہ مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں جو جمہور امت اب تک لیتی آئی ہے۔ اسلئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا اور ہر دو صورت میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کیجاتی ہے۔ کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اسکی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔ اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ

قرآن مجید کو کتاب وحی سمجھتے ہیں۔ اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے۔ اس لئے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہیے۔ اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں۔ قرآن کو اپنے اپنے عقائد کی رو سے بھی نکاح ہی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ مردوں سے بھی۔ مدعیہ کے دعوے کی رو سے چونکہ مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزندار پائی جاتی ہے۔ لہذا اس بنا پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا۔ اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو عدالت معلیٰ اجلاس خاص نے قابل پیروی قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالت عالیہ چیفکورٹ بہاولپور کا فیصلہ مقدمہ مسمات جندوڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھوداس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا۔ اور اس مقدمہ کا صاحب موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور خود اُن اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے۔ کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا۔ اس لئے صاحب موصوف نے اُسے زیادہ عرصہ معرض تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکور اسے طے فرما دیا۔ دربار معلےٰ نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا۔ جس فیصلہ کی بنا پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لئے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے اُسے حکم سنایا گیا مدعا علیہ کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونیکے بعد جبکہ مقدمہ زیر غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۰ رول ۵ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جاوے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷؍ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعد ۱۳۵۳ھ

بمقام بہاولپور

دستخط

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر
ریاست بہاولپور
(بحروف انگریزی)

ذخیرۂ کتب:- محمد احمد ترازی

ملنے کا پتہ:- مولوی ابوالعباس محمد صادق موری دروازہ بہاولپور

Scanned with CamScanner

تردید مرزائیت میں تائید الحق سلسلہ صادقیہ کے چند اہم رسائل

مؤلفہ

مولنا ابو العباس محمد صادق صاحب معلم ثانی جامعہ عباسیہ بہاولپور

مرزا اور یسوع اس مختصر رسالہ میں اولا مرزا کے مصنفات کے دس حوالے ایسے درج کئے گئے ہیں جنمیں مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین مختلف عنوانوں اور ناموں سے کی ہے۔ اس توہین سے بچنے کیلئے آجتک مرزا اور اس کی جماعت تین جواب دیتی ہے۔

(۱) یہ توہین یسوع کی ہے نہ عیسیٰ علیہ السلام کی (۲) یہ اقوال الزاماً کہے گئے ہیں نہ تحقیقاً (۳) عشق محمدی کی وجہ سے مجبور ہو کر پادریوں کے مقابلہ میں بطور انتقام کے کہے گئے ہیں۔ مؤلف رسالہ نے ان ہرسہ جوابات کا ابطال خود مرزا کے اقوال ہی اس خوبی سے کیا ہے۔ کہ ہر انصاف پسند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ ہرسہ جوابات نہایت مہمل اور ناقابل اعتنا ہیں۔ اور مرزا نے دیدہ دانستہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین و منقصت کی ہے۔ قیمت علاوہ محصول صرف ار

مرزا اور محمدی بیگم یہ رسالہ اس موضوع میں نفیس تالیف ہے۔ اس میں محمدی بیگم کی پیشگوئی اور اس کے بعد کے وہ تمام واقعات و حالات جن کو اس پیشگوئی سے تعلق تھا۔ بطور سوال و جواب جمع کیا ہے لطف یہ ہے کہ جوابات خود مرزا کے اپنے الفاظ میں درج کئے گئے ہیں جنکی صحت سے کسی مرزائی کو بھی انکار نہیں ہوسکیگا۔ قابل دید ہے۔ قیمت علاوہ محصول (ایک آنہ) فی سینکڑہ پانچروپے

مرزا اور مہدی یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد کے متعلق جسقدر احادیث وارد ہیں اور جو صفات اور علامات احادیث میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک وصف بھی مرزا پر صادق نہیں آتی۔ پھر ان احادیث کا جواب دیا گیا ہے۔ جنکو خود مرزا یا اس کی جماعت مرزا کی مہدویت کے ثبوت میں پیش کرتی ہے۔ اس موضوع پر یہ قابل دید رسالہ ہے۔ قیمت علاوہ محصول صرف ار فی سینکڑہ (پانچروپے) زیر طبع

المشتہر

(مولوی) محمد عاشق موری دروازہ بہاولپور

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

Scanned with CamScanner